مُلّا نصرالدّین کے لطیفے
1

ملا نصرالدین کے لطیفے

سید سعید احمد ایم۔اے
ایم۔ایس سی

لاہور۔ راولپنڈی ملتان پشاور حیدرآباد کراچی

Mullah Naseer Uddin Lataif:
All Four Parts
(1971-1973) are merged in a single file.

پہلی بار 1971

تعداد 3000

قیمت ایک روپیہ

مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور باہتمام عبدالحمید خاں پرنٹر پبلشر

مُلّا نصرالدین

دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا خطہ ہو جہاں حاضر جواب اور مزاحیہ شخصیتیں نہ ملتی ہوں۔ مُلّا نصرالدین بھی انھی میں سے ایک تھے لیکن تھے سب میں ممتاز۔ اُن کے طنز و مزاح میں بڑی انفرادیت ہے۔ اگر کسی موقع پر وہ حکمت کے موتی لٹاتے تو دوسرے موقع پر اپنی معصوم حماقتوں سے دوسروں کی تفریح کا سبب بنتے۔ اُن کی حاضر جوابی حکمت رسی اور مزاح کسی خاص محفل تک محدود نہ تھا، نہ وہ موقع محل دیکھ کر بات کرنے کے قائل تھے، چاہے کسی کے جنازہ میں شریک ہوں یا کسی بارات میں، انھیں اس کی کوئی پروانہ تھی۔ اُن کو تو بس ظرافت کے پھول بکھیرنے سے کام تھا۔

مُلّا کے وطن کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ ترک تھے، بعض انھیں ایرانی مانتے ہیں۔ البتہ ترکی کے رہنے والے اُن کی یاد بڑی دھوم سے مناتے ہیں اور ہر سال جشن کا اہتمام کرتے ہیں۔ بہرحال اُن کا وطن کوئی بھی ہو، حقیقت یہ ہے کہ اب انھیں عالم گیر

حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ دنیا بھر میں اُن کے لطائف کا چرچا ہے اور ہر زبان میں وہ شائع ہو رہے ہیں۔ امریکہ کے ماہرین طبیعات مُلّا کے لطائف کو سائنس کے دقیق مسئلے سمجھانے کے لیے استعمال کرتے ہیں جب کہ اہل روس انھیں سرمایہ داروں کا دشمن اور عوامی تحریک کا ایک نمائندہ سمجھتے ہیں اور اُن پر فلم بنا رہے ہیں۔ اسی طرح چین میں بھی اُن کے لطائف کا ترجمہ شائع ہوا ہے۔ اور انگلینڈ میں تو پہلے ہی اُن کے لطائف کی کئی جلدیں چھپ چکی ہیں

مُلّا نصرالدین کے لطیفوں کی مقبولیت کی وجہ خود ان کی رنگا رنگ زندگی تھی ۔۔۔۔ وہ ہر فن مولا تھے۔ انھوں نے درزی کے کام سے لے کر جج کے عہدے تک ہر کام کیا تجارت میں عمل دخل تھا۔ طبیب ہونے کا بھی دعویٰ کرتے تھے۔ سیر و سیاحت میں بھی شغل سے کوئی ان کا ہم پلّہ تھا سیاں مشاغل کے علاوہ عالم اور صوفی موروثی طور پر تھے۔ اس وجہ سے ان کی زندگی بڑی پر لطف اور بارونق گزری۔

اگلے صفحات میں ان کے لطائف کا ایک انتخاب دیا جا رہا ہے۔ جن کے پس پردہ ان کا سنجیدہ اور مسکراتا ہوا چہرہ نظر آئے گا۔ یہ لطائف یا تو صرف ذہین لوگ پڑھیں یا بیوقوف درمیانہ درجے کے لوگوں سے مُلّا معذرت خواہ ہیں۔

پچھلا دروازہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مُلّا نصرالدین چند بے تکلف دوستوں کے ساتھ ایک قہوہ خانے میں بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے بات چیت کے دوران مُلّا نے کہا "تم تو جانتے ہی ہو میں بڑا مہمان نواز ہوں!"

دوستوں میں سے ایک بیچ میں بول پڑا "ہاں مُلّا صاحب آپ واقعی بڑے دل والے ہیں"

دوسرا بولا "آج رات کا کھانا ہم آپ ہی کے ہاں کھائیں گے"

مُلّا نے شیخی میں آکر ہامی بھر لی اور دوستوں کو لے کر گھر جا پہنچے۔ گھر کے قریب پہنچ کر دوستوں

کو وہیں کھڑا کیا، خود مکان میں گھسے اور جاتے
ہی بیوی سے بولے "بیگم جلدی سے کھانے کا
انتظام کردو، میرے دوست باہر کھڑے ہیں۔"
بیوی یہ سُن کر سخت برہم ہوئی اور بولی "کمال
کرتے ہو تم۔ گھر میں ایک چٹکی آٹا نہیں ہے اور
تم ہو کہ دوستوں کو بھی بلا لائے۔ جاؤ ابھی
ان کو واپس کردو۔"

مُلّا نے لجاجت سے کہا "بیگم خدا کے واسطے
اس وقت ہماری بات رکھ لو ورنہ ساری عزت
خاک میں مل جائے گی۔"

بیوی نے جب دیکھا کہ مُلّا کسی صورت انہیں
واپس کرنے کو تیار نہیں تو خود ہی دروازے
کی طرف بڑھی۔ وہاں مُلّا کے دوست سخت بے
چینی کے عالم میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ بیوی نے
انہیں مخاطب کرکے کہا "آپ لوگ تشریف لے
جائیں، نصرالدین گھر پر نہیں ہیں۔"

"لیکن ہم نے تو ابھی انہیں گھر میں داخل
ہوتے دیکھا ہے اور اس وقت سے برابر
دروازے کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے ہیں۔"

بیوی نے ابھی کچھ جواب نہ دیا تھا کہ
مُلّا نصرالدین نے اوپری منزل کی کھڑکی سے سر
نکال کر کہا "احمقو! کیا میں پچھلے دروازے سے
باہر نہیں جاسکتا —!"

دیگ کا بچہ

ایک دفعہ مُلّا نصرالدین کے پاس اُن کا ایک
پڑوسی دیگ مانگنے آیا۔ مُلّا نے دیگ دے دی۔
دوسرے روز پڑوسی جب وہی دیگ واپس لے کر
آیا تو ساتھ مذاقاً ایک چھوٹی سی دیگچی بھی لیتا آیا۔
مُلّا نے پوچھا "یہ کیا ہے —؟"
پڑوسی نے جواب دیا "آپ کی دیگ نے بچہ
دیا ہے۔"
کچھ ہی عرصے کے بعد مُلّا کو چند برتنوں کی
ضرورت پڑی تو وہ جاکر اپنے اسی پڑوسی کے
پاس سے لے آئے اور ضرورت نکل جانے کے
بعد واپس کرنے نہیں گئے۔ کئی روز انتظار کے
بعد پڑوسی اُن کے پاس آیا اور اپنے برتن
طلب کیے۔ مُلّا نے نہایت سکون کے ساتھ جواب

دیا۔
"افسوس! آپ کے برتنوں کا انتقال ہوگیا۔"
پھر کسی قدر توقف سے کہنے لگے۔ "دوست! ایک بات ہم لوگوں نے ثابت کردی ہے کہ برتن فانی ہوتے ہیں۔"

اسمگلر

مُلّا اپنے خچر پر بیٹھ کر اکثر فارس سے یونان جایا کرتے تھے۔ جاتے وقت اُن کے خچر پر بھوسے کے دو گٹھر ہوتے مگر واپسی پر وہ تن تنہا ہی ہوتے تھے۔ فارس اور یونان کی سرحد کے کسٹم کے سپاہی ان کی تلاشی لیتے اور بھوسے کا معاینہ کرتے تھے لیکن کوئی ایسی چیز نہ ملتی تھی جسے پکڑا جا سکے۔ ایک مرتبہ سپاہیوں نے مُلّا سے پوچھ ہی لیا۔
"مُلّا تم کیا لے جارہے ہو؟"
مُلّا نے جواب دیا۔
"میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں اسمگلر ہوں آگے آپ جانیں۔"

کئی سال بعد مُلّا کا مصر جانے کا اتفاق ہوا۔ مصری سپاہیوں نے مُلّا سے کہا۔
"اب تو آپ فارس اور یونان کی سرحدوں سے باہر ہیں اب تو بتادیں کہ آخر آپ ایسی کون سی شے اسمگل کرتے تھے جنہیں کسٹم والے کبھی نہ پکڑ سکے۔"
مُلّا نے جواب دیا "خچر ــــ!!"

بلی کہ گوشت؟

ایک مرتبہ مُلّا اپنے مہمانوں کی دعوت کے سلسلے میں ڈیڑھ سیر گوشت لائے اور بیوی سے پکانے کو کہا۔ بیوی نے سالن پکانے کے بعد گوشت الگ نکال کر رکھ دیا اور خالی شوربا مہمانوں کو بھیج دیا۔ مُلّا نے بیوی کو بلا کر پوچھا "گوشت کہاں ہے؟"
"بلی کھا گئی" بیوی نے جواب دیا۔
مُلّا نے جھٹ بلی کو پکڑ کر ترازو میں تولنا شروع کردیا۔ اس کا وزن ڈیڑھ سیر تھا۔
وہ بولے "اگر یہ بلی ہے تو گوشت کہاں ہے؟"

اور گوشت ہے تو [illegible] گئی؟

ذہانت

ایک دن ملا راستے میں جھکے ہوئے کچھ تلاش کر رہے تھے۔ ایک راہ گیر نے رک کر پوچھا "آپ کیا تلاش کر رہے ہیں؟"

ملا نے جواب دیا "چابی"

اب ملا اور راہ گیر دونوں چابی تلاش کرنے میں لگ گئے۔ چند لمحوں بعد اس آدمی نے ملا سے پوچھا "ملا! سوچ کے بتایئے، چابی کس مقام پر گری تھی؟"

"چابی تو گھر میں گری تھی"

"تو پھر یہاں کیوں تلاش کر رہے ہیں؟"

"یہاں روشنی زیادہ ہے ——!" ملا نے جواب دیا۔

احمق پرشاد

ایک فلسفی نے ایک مرتبہ ملا سے کسی مسئلہ پر بات کرنے کے لیے ملاقات کا وقت لیا۔ مقررہ وقت پر [illegible] ملا کے گھر پہنچا تو ملا غائب تھے۔ اس نے غصے میں دروازے پر چاک سے لکھ دیا "احمق پرشاد!"

ملا جب واپس آئے اور دروازے پر یہ الفاظ پڑھے تو سیدھے بھاگے ہوئے فلسفی کے پاس پہنچے اور بولے۔ "معاف کیجیے گا۔ بالکل ہی ذہن سے اتر گیا تھا کہ آپ آنے والے ہیں۔ وہ تو اس وقت یاد آیا جب آپ کا نام دروازے پر لکھا دیکھا۔"

ریگستان کا معرکہ

ایک محفل میں ملا نصیر الدین نے بیان کیا "ایک دفعہ ایک لق و دق ریگستان میں خوفناک اور خونخوار بدوؤں کے گروہ سے میرا سابقہ پڑ گیا مگر میں انھیں دیکھ کر ذرا بھی خوف زدہ نہ ہوا اور آخر میں نے انھیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

"وہ کیسے ——؟" کسی نے سوال کیا اور ملا نے جواب دیا۔

"بڑی آسانی کے ساتھ —— بس میں بھاگا اور

وہ بھی میرے پیچھے بھاگنے لگے۔"

خطرہ

ایک مرتبہ ایک عورت اپنے بچے کو مُلّا کے پاس لائی اور بولی کہ یہ بچہ بہت شریر اور گستاخ ہوگیا ہے، آپ ذرا اس کو تنبیہ کر دیجیے۔ آپ کے خوف سے ممکن ہے۔ یہ درست ہوجائے۔ مُلّا نے یہ سُن کر اپنے چہرے کو نہایت غضبناک کیا۔ آنکھیں سُرخ کرلیں اور ماتھے پر شکنیں ڈال کر نہایت گرج دار آواز نکالی پھر زمین پر پیروں کو پٹکا اور تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئے۔ عورت یہ منظر دیکھ کر خود بھی خوف سے تھر تھر کانپنے لگی جب مُلّا باہر سے واپس آئے تو عورت نے کہا "محترم! میں نے بچے کو ڈرانے دھمکانے کو کہا تھا کہ آپ نے تو میری ہی جان نکال لی"

مُلّا نے جواب دیا "نیک بخت! تو نے نہیں دیکھا کہ میں خود بھی مارے ڈر کے باہر بھاگ گیا تھا، کوئی خطرہ ہوتا ہے تو وہ سبھی کے لیے ایک جیسا ہوتا ہے۔"

نمک اور اُون

ایک مرتبہ مُلّا اپنے خچر پر نمک کی بوری لادے بازار جا رہے تھے۔ راستے میں ایک ندی پڑی۔ خچر جب ندی میں داخل ہوا تو نمک پانی میں گھل گیا اور خچر کو بڑا آرام ملا کیونکہ وزن کم ہوگیا تھا۔ دوسرے دن مُلّا اُون لے کر بازار روانہ ہوئے۔ اب کے ندی سے گزرتے وقت اُون نے پانی کو جذب کرلیا اور اس کا وزن بڑھ گیا اب تو خچر بہت پریشان ہوا۔ مُلّا نے چیخ کر خچر سے کہا "ابے! کیا تو سمجھتا تھا کہ ہمیشہ آرام سے ندی پار کرلے گا۔"

جھگڑے کی جڑ

آدھی رات کو دو آدمی مُلّا کے دروازے پر جھگڑ رہے تھے۔ ان کی آوازوں پر مُلّا کی آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے سوچا کہ چل کر انھیں منع کیا جائے چنانچہ وہ اُٹھے، ایک کمبل لپیٹا اور باہر

نکل گئے۔ جب وہ دونوں کو سمجھانے لگے تو ایک آدمی
اُن کا کمبل چھین نو دو گیارہ ہوگیا۔ اس کے پیچھے
دوسرا آدمی بھی بھاگ لیا۔ مُلّا سردی کھاتے ہوئے
گھر میں واپس آئے۔ تو بیوی نے جھگڑے کی
وجہ پوچھی۔ انھوں نے مُنہ لٹکا کر جواب دیا۔
"جھگڑے کی جڑ تو میرا کمبل تھا، جونہی انھوں
نے کمبل ہتھیایا، جھگڑا فوراً ختم ہوگیا۔"

مُلّا کے گھر چوری

ایک رات مُلّا کے گھر دو چور آئے قدموں
کی پُر اسرار چاپ پر مُلّا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ
مارے ڈر کے ایک الماری میں چھپ گئے۔ چور
گھر کا کونا کونا چھانتے ہوئے الماری تک پہنچے
اور اس کے پٹ کھولے تو مُلّا سامنے کھڑے
تھر تھر کانپ رہے تھے۔ اس پر ان میں سے
ایک نے پوچھا۔
"حضرت! آپ یہاں کیوں چھپے کھڑے ہیں؟"
مُلّا نے خوف کو چھپاتے ہوئے جواب دیا۔
"میں اس شرم سے چھپ گیا کہ میرے گھر میں

کوئی چیز بھی آپ کے لائق نہیں ہے۔"

پڑھو یا کھاؤ

ایک دن مُلّا بازار سے کلیجی خرید کر لا رہے
تھے۔ دوسرے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جس میں
کلیجی پکانے کی ترکیب لکھی تھی۔ اچانک ایک
چیل نے جھپٹا مارا اور کلیجی لے اُڑی۔ مُلّا نے
یہ دیکھا تو چیل کی طرف دیکھ کر کہا۔
"ارے پاگل! کلیجی لے گئی تو کیا ہوا پکانے
کی ترکیب تو میرے ہی پاس ہے"

اللہ کی رحمت

ایک مرتبہ شہر کے مشہور عالم آغا عاقل کہیں
جا رہے تھے کہ اچانک بارش شروع ہوگئی اور وہ
بارش سے بچنے کے لیے کسی سائے دار جگہ کی طرف
دوڑنے لگے۔ مُلّا نصرالدین اُدھر آ نکلے انھوں نے
نہایت تُند لہجے میں کہا "آغا صاحب! کمال ہے
آپ اللہ کی رحمت سے بھاگ رہے ہیں آپ جیسے
عالمِ دین سے تو یہ توقع نہ تھی۔"

آغا صاحب دل ہی دل میں بڑے شرمندہ ہوئے اور آہستہ آہستہ چلنے لگے آخر بارش کی وجہ سے وہ بے انتہا بھیگ گئے اور گھر پہنچ کر سردی سے بیمار پڑ گئے۔

اتفاق کی بات کہ دوسرے موقع پر مُلّا بارش میں گھر گئے اور وہاں سے بھاگنے لگے۔ آغا عاقل نے انھیں بھاگتے دیکھ کر پوچھا "نصرالدین! آپ کیوں اللہ کی رحمت سے بھاگ رہے ہیں؟"

مُلّا نے برجستہ جواب دیا "اللہ کی رحمت پاؤں کے نیچے آرہی ہے۔ میں یہ بے ادبی برداشت نہیں کرسکتا۔"

یہ عقلمند لوگ!

ایک دفعہ مُلّا نصرالدین ایک سنگین مقدمے میں پھنس گئے۔ انھوں نے گاؤں گاؤں اور شہر شہر اس بات کی تشہیر کی تھی کہ ملک کے تمام علماء، فضلاء، فلسفی اور فقہاء بے وقوف ہیں، سب کے سب تشکیک میں گرفتار اور خود اعتمادی سے محروم ہیں لہٰذا مُلّا کو ملک دشمن سرگرمیوں کے الزام میں گرفتار کرکے عدالت میں لایا گیا۔ اور ملک کے مقتدر علماء اور منطقیوں کو بھی طلب کیا گیا۔ جب سب لوگ عدالت میں حاضر ہوچکے تو بادشاہ نے مُلّا سے مخاطب ہوکر کہا "پہلے تم اپنی صفائی پیش کرو۔"

مُلّا نے جواب دیا "عالیجاہ! مجھے چند قلم اور کاغذ منگوا دیجیے۔"

چنانچہ کاغذ اور قلم آگئے تو مُلّا نے ان میں سے سات عقلمندوں کو ایک ایک کاغذ اور قلم دیدیا پھر اُن سے کہا "آپ لوگ اپنے اپنے کاغذ پر ہمارے اس سوال کا جواب لکھیں۔ — روٹی کسے کہتے ہیں؟"

سب لوگوں نے جواب لکھ کر کاغذ بادشاہ کو دے دیے بادشاہ نے ہر ایک کا جواب بآواز بلند پڑھنے کی ہدایت کی۔

پہلے نے لکھا تھا "روٹی غذا ہے"

دوسرے نے لکھا تھا "یہ آٹے اور پانی کا مجموعہ ہے۔"

تیسرے نے لکھا تھا "یہ نعمتِ الٰہی ہے۔"

چوتھے نے لکھا تھا "پکایا ہوا آٹا ہے"
پانچویں نے لکھا تھا "اس سوال کے کئی جواب ہوسکتے ہیں۔ پہلے یہ بتائیں کہ روٹی سے آپ کی کیا مراد ہے؟"
چھٹے نے لکھا تھا "ایک پیٹ بھرنے کی چیز"
ساتویں نے لکھا تھا "اس کی اصل حقیقت تو کسی کو بھی نہیں معلوم"
مُلّا یہ جوابات سن کر فوراً بول پڑے "عالیجاہ جب یہ عقلمند لوگ روٹی جیسی عام چیز کے بارے میں کوئی متفقہ فیصلہ نہیں کرسکتے تو پھر یہ کیسے بتاسکتے ہیں کہ میں صحیح ہوں یا غلط؟"

نادان دوست

مُلّا کے ایک بڑے جگری دوست جلال تھے۔ وہ ایک روز ان سے ملنے آئے۔ مُلّا کہیں جانے کو تیار تھے، جلال سے کہا "تم بھی ساتھ چلو۔ ابھی گھوم پھر کر واپس آتے ہیں۔"
جلال راضی ہوگئے لیکن مُلّا سے کہا "ہماری عبا خراب ہوچکی ہے تم دوسری عبا دے دو تاکہ اُسے پہن کر چلیں۔"
مُلّا نے ایک نہایت عمدہ اور نئی عبا اپنے دوست کو پہنادی اور دونوں ساتھ ہولیے۔ چلتے چلتے مُلّا ایک دوست کے پاس پہنچے اور اس سے جلال کا تعارف کراتے ہوئے بولے "آپ سے ملیے، آپ ہیں ہمارے پرانے دوست جلال۔ آپ جو عبا پہنے ہوئے ہیں وہ میری ہے۔" ان سے ملنے کے بعد مُلّا اور جلال دوسرے گاؤں کی طرف روانہ ہوگئے
راستے میں جلال نے کہا "بے وقوف آدمی یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ عبا میری ہے"
نصرالدین نے وعدہ کرلیا کہ اب ایسا نہیں کہوں گا۔
اس کا انھوں نے لحاظ رکھا اور دوسرے مکان پر پہنچ کر جلال کا تعارف کرایا تو کہا "یہ میرے پرانے رفیق جلال ہیں، ان کی عبا خود ان کی اپنی ہے۔"
جلال غصّے سے آگ بگولا ہوگیا اور راستے میں مُلّا کو بُرا بھلا کہنے لگا کہ اس نے کسی نہ کسی

بہانے عبا کا تذکرہ کر ہی دیا۔ مُلّا نے پھر وعدہ
کیا کہ اب کچھ نہ کہے گا۔ آخر وہ دونوں تیسرے
دوست کے پاس پہنچے۔ مُلّا نے پھر تعارف کرایا
"یہ ہیں ہمارے دوست جلال! یہ عبا جو انھوں
نے پہن رکھی ہے خیر اس کے بارے میں مجھے
کچھ نہیں کہنا چاہیے"

مارو گھٹنا پھوٹے آنکھ

ایک ان پڑھ آدمی مُلّا کے پاس آیا اور اُن
سے خط لکھوانا چاہا۔
مُلّا نے جواب دیا "بھائی مجھے افسوس ہے،
میں خط نہیں لکھ سکتا، میرا پاؤں جلا ہُوا ہے"
"پیر کے جلنے اور خط کے لکھنے میں کیا تعلق
ہے، مُلّا؟" اُس نے اعتراض کیا تو مُلّا نے سمجھایا
"بات یہ ہے کہ میں بڑا بد خط واقع ہُوا ہوں
مجھے اپنی تحریر پڑھنے کے لیے خود ہی مکتوب
الیہ تک جانا پڑتا ہے۔ آج کل چونکہ پیر میں
شدید تکلیف ہے اس لیے خط لکھنے کا کوئی
فائدہ نہ ہوگا۔ آپ کسی اور سے لکھوا لیجیے"

ولایتی بُلبل

ایک دفعہ نصرالدّین ایک باغ میں گئے اور
ایک خوبانی کے درخت پر چڑھ کر مزے میں
خوبانیاں کھانے لگے۔ اتنے میں باغبان آگیا۔ اُس
نے مُلّا کو درخت پر چڑھے دیکھ لیا اور مُلّا سے
پوچھا "وہاں کیا کر رہے ہیں جناب!"
"میں بُلبل ہوں، گانے گاتا ہوں"
"اچھا جناب بُلبل ہیں تو ایک گانا مجھے بھی
سنائیں"
مُلّا نے نہایت بھدی آواز میں گانا شروع
کر دیا۔ باغبان ایسی موٹی اور بھدی آواز سُن کر
خوب ہنسا اور کہنے لگا۔
"خوب! آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے کبھی بُلبل
کی آواز ہی نہیں سُنی"
"جی آپ نے دیسی بلبلوں کی آوازیں سُنی
ہوں گی میں تو ولایتی بُلبل ہوں، میری
آواز اُن سے مختلف ہے"

پُرانا چاند

کسی نے مُلّا نصرالدین سے دریافت کیا "جب نیا چاند نکل آتا ہے تو پُرانے چاند کا کیا بنتا ہے ــــــ؟"

مُلّا نے جواب دیا "پُرانے چاند کو توڑ کر ستارے بنا دیے جاتے ہیں، ہر چاند سے چالیس ستارے بنتے ہیں۔"

شرع کے عین مُطابق

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مُلّا کو راہ چلتے ایک سونے کی انگوٹھی پڑی ملی۔ مُلّا نے سوچا کہ یُوں ہی رکھ لینا گناہ کی بات ہے۔ اس لیے شرع کے مُطابق بازار میں تین مرتبہ آواز لگائی جائے چنانچہ وہ رات کو تین بجے بازار پہنچے اور بلند آواز سے تین مرتبہ پکارا "یہ سونے کی انگوٹھی کس کی ہے ــــــ؟"

تیسری آواز کے بعد کچھ لوگ اکٹھے ہوئے اُنھوں نے مُلّا سے پُوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟

مُلّا نے جواب دیا "مُعاملے کی نوعیت تین مرتبہ اِعلان کرنے کے بعد بدل چکی ہے۔ اب اِعلان یہ ہے کہ یہ سونے کی انگوٹھی میری ہے۔"

بھیگی بلّی

ایک زمانے میں مُلّا نے ایک رئیس کے ہاں مُلازمت کی۔ ایک دن مالک کمرے میں کسی کام میں مصروف تھا۔ اُس نے مُلّا سے کہا "ذرا دیکھو بارش تو نہیں ہورہی ہے ــــــ مجھے بادشاہ نے بُلایا ہے اور جو جُبّہ میں پہن کر جانا چاہتا ہوں اس کا رنگ کچا ہے اس لیے بارش سے رنگ اُتر جانے کا خطرہ ہے۔"

مُلّا ایک کاہل آدمی ٹھہرے۔ اُنھوں نے ایک بھیگی بلّی کو آتے دیکھ کر وہیں بیٹھے بیٹھے فیصلہ کر لیا کہ بارش ہورہی ہے حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ بلّی کو کسی نے بھگانے کے لیے اس پر پانی ڈال دیا تھا۔ مالک جب اپنے کام سے فارغ ہوکر باہر نکلا اور دیکھا کہ بارش تو بارش آسمان پر بادل کا نام ونشان بھی نہیں ہے تو وہ

سخت ناراض ہوا اور اس نے مُلّا کی مستقل چھٹی
کردی۔

اکائی کے قاعدے سے

ایک مرتبہ مُلّا ایک گھڑ دوڑ میں شرکت کے
لیے اپنے بیل پر سوار ہو کر پہنچے۔ بیل بڑا مریل
تھا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ مُلّا اس بیل پر بیٹھ
کر گھڑ دوڑ میں حصہ لیں گے، تو وہ خوب ہنسے
ان کی ہنسی دیکھ کر مُلّا کو بڑا غصّہ آیا اور وہ کہنے
لگے "اس میں مذاق اڑانے کی کیا بات ہے مجھے
اچھی طرح یاد ہے کہ جب یہ بیل چھوٹا تھا تو کافی
تیز دوڑتا تھا۔ اب تو بڑا ہو گیا ہے، گھوڑے
سے بھی زیادہ تیز دوڑے گا۔"

رحم دلی

ایک دفعہ نصر الدین اپنے خچر پر لکڑیاں لاد کر
گھر کی طرف چلے اور زین پر بیٹھنے کے بجائے
لکڑی کے ایک گٹھے پر اچک کر بیٹھ گئے۔
کسی راہ گیر نے پوچھا "مُلّا! زین خالی پڑی ہے
اور تم لکڑی پر بیٹھے ہو؟"
مُلّا نے جواب دیا "میں ظالم نہیں ہوں جو
اتنا وزن لادنے کے بعد خود بھی بے زبان جانور
پر بیٹھ جاؤں لکڑی پر بیٹھا ہوں کہ اسے کچھ
تو سکون ملے!"

افکار کی عظمت

ایک دن مُلّا بازار سے گزر رہے تھے۔ وہاں
انھوں نے ایک طوطا بکتے ہوئے دیکھا۔ طوطے
کی قیمت پانچ سو ریال لگ رہی تھی۔ مُلّا نے
سوچا کہ کیوں نہ اپنی مرغی لاکر بیچ دوں جو
طوطے سے دوگنی سے بھی زیادہ ہے، اس کی
قیمت تو ایک ہزار ریال ملے گی۔ چنانچہ وہ
دوسرے ہی دن اپنی مرغی لے کر بازار پہنچ گئے
مگر دن بھر کھڑے رہنے کے باوجود کسی نے
مرغی کے پچاس ریال سے زیادہ نہ لگائے۔ مُلّا
کو بڑا غصّہ آیا۔ انھوں نے بلند آواز سے چلّا
کر کہا۔
"لوگو! کتنی بے انصافی کی بات ہے کہ دوسروں

کی ننھی ننھی چڑیاں تو پانچ پانچ سو ریال میں بکیں اور میری اتنی بڑی چڑیا کے صرف پچاس ریال دو"

اس پر کسی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "نصرالدین! وہ طوطے تھے جو انسانوں کی طرح باتیں کرتے ہیں اس لیے اُن کی قیمت زیادہ ہے۔"

مُلّا نے فوراً جواب دیا "احمقو! جو چڑیا ہر وقت ٹیں ٹیں کرے اس کی قیمت زیادہ دیتے ہو اور جو اعلیٰ افکار و خیالات کے ساتھ ساتھ اپنی بک بک سے لوگوں کو تنگ نہ کرے اس کی تمھارے نزدیک قیمت ہی نہیں۔ عجیب زمانہ آگیا ہے ——!"

اُٹھائی گیرا

مُلّا نے بازار سے کچھ سامان خرید کر تھیلے میں رکھا اور ایک مزدور کو بلا کر اُسے گھر لے جانے کی ہدایت کی۔ مزدور نے دریافت کیا "آفندی! آپ کا گھر کہاں ہے؟"

مُلّا نے مزدور کے اس سوال پر اُسے گھور کر دیکھا اور زور سے بولے "تم مجھے بدمعاش اور اُٹھائی گیرے معلوم ہوتے ہو —— میں تمھیں اپنے گھر کا پتا ہرگز نہ بتاؤں گا!"

بہترین راستا

ایک مرتبہ کچھ طالب علم مُلّا کی علمی شُہرت سن کر تحصیلِ علم کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے مُلّا سے درخواست کی کہ انھیں بھی اپنے شاگردوں کے حلقہ میں شامل کریں۔ مُلّا نے ان کی درخواست منظور کرتے ہوئے اُن سے مدرسے کی طرف چلنے کو کہا اور خود بھی اپنے خچر پر سوار ہوکر ساتھ ہو لیے مگر اس التزام کے ساتھ کہ مُلّا نے خچر کی دُم کی طرف اپنا منہ کیا اور طلبا خچر کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ راہ گیروں نے جب انھیں اس طرح جاتا دیکھا تو بڑا مذاق اُڑایا کہنے لگے۔

"ملّا تو نرا احمق ہے جو خچر پر اُلٹا بیٹھا ہے اور یہ لڑکے تجھ سے بھی زیادہ احمق ہیں جو

پیچھے پیچھے چلے جارہے ہیں۔"
طلباء نے کچھ دیر تک اپنی جگ ہنسائی برداشت
کی پھر اُن سے نہ رہا گیا انھوں نے مُلّا سے کہا
"مُلّا صاحب، لوگ ہمارا مذاق اُڑا رہے ہیں اور
آپ کو احساس تک نہیں ہوتا آپ خچر پر اُلٹے
کیوں بیٹھے ہیں؟"
نصرالدین کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا
ہوگئے، انھوں نے طلبہ سے کہا "آپ لوگ
دوسروں کے بارے میں زیادہ سوچتے ہیں، اپنے
بارے میں کم۔ اب آپ نے پوچھا ہے تو سنیے!
اگر آپ خچر کے آگے چلتے تو لوگ کہتے، لڑکے
بڑے بدتمیز ہیں کہ پُشت اُستاد کی طرف کیے ہیں
پیچھے چلتے تو لوگ میرے بارے میں بد خیال
ہوتے۔ اگر میں خچر پر سیدھا ہوکر بیٹھ جاؤں
اور آگے آگے چلنے لگوں تب بھی مجھ پر اِلزام
آئے گا اس لیے بہترین راستہ یہی ہے جو میں
نے اِختیار کیا ہے۔"

اپنی تلاش

مُلّا کا ایک چوکیدار تھا جس کا نام بیدار تھا۔
ایک رات اُس نے دیکھا کہ مُلّا خود ہی چپکے
چپکے کھڑکی سے اپنے کمرے میں داخل ہونے کی
کوشش کر رہے ہیں۔
چوکیدار نے قریب آکر پوچھا "آپ کیا کر رہے
ہیں مُلّاجی؟"
مُلّا نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر کہا "خاموش!
لوگ کہتے ہیں، میں سوتے میں چلتا پھرتا ہوں۔
آج میں ذرا خود کو دیکھنا چاہتا ہوں کہ واقعی
لوگوں کا کہنا صحیح ہے؟"

زیادہ ضرورت مند

ایک دن مُلّا بازار سے صابن کی بٹّی خرید
کر لائے اور بیوی سے کہا:
"میری قمیص بڑی میلی ہوگئی ہے۔ وقت نکال
کر اِسے دھو دینا"
بیوی قمیص دھونے بیٹھی تو ایک کوّا آیا اور
صابن کی بٹّی چونچ میں دبا کر اڑ گیا۔
بیوی چیختی رہ گئی۔ جب مُلّا واپس آئے تو
بیوی نے ڈرتے ڈرتے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ مُلّا

غصّہ کے بجائے نرمی سے بولے "کوئی بات نہیں! لے جانے دو! میری قمیض کے مقابلے میں اس کا لباس زیادہ میلا ہے وہ مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے۔"

مچھلی کا شکار

ایک مرتبہ بادشاہِ وقت نے کچھ لوگوں کو خفیہ طور پر دیہی علاقوں میں بھیجا کہ وہ ایک ایسے شخص کو تلاش کر کے لائیں جو انتہائی منکسر مزاج ہو۔ بادشاہ ایسے آدمی کو جج بنانا چاہتا تھا۔ یہ خبر کسی نہ کسی طرح مُلّا کے کان تک پہنچ گئی۔ مُلّا نے جھٹ ایک مچھلی کا جال اپنے کپڑوں کے گرد لپیٹ لیا اور شاہی وفد کا انتظار کرنے لگے۔ جب وفد عام مسافروں کے بھیس میں ان کے پاس سے گزرا تو مُلّا سے دریافت کیا کہ انھوں نے مچھلی کا جال کیوں لپیٹ رکھا ہے۔ مُلّا نے جواب دیا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ میں قوم کا مچھیرا ہوں اب لکھ پڑھ گیا ہوں لیکن اپنی اصل کو بھولنا کم ظرفی سمجھتا ہوں۔"

شاہی وفد کو مُلّا کے یہ جذبات بہت پسند آئے چنانچہ اس کی سفارش پر مُلّا جج بنا دیئے گئے۔ ایک عرصے کے بعد شاہی وفد کے ایک رکن نے مُلّا کو دیکھا اب ان کے پاس مچھلی کا جال نہ تھا۔ اس نے مُلّا سے پوچھا" نصرالدین۔ آپ کا جال کدھر ہے؟" مُلّا نے برجستہ جواب دیا"مچھلی ایک بار پھنس جائے تو پھر جال کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟"

خدانخواستہ

رات کا وقت تھا، ہلکی ہلکی چاندنی پھیلی ہوئی تھی کہ نصرالدین کو باغ میں کوئی سفید سفید چیز نظر آئی۔ انھوں نے اپنی نظریں اسی طرف گڑو دیں اور بیوی سے کہنے لگے"ذرا میرا تیر کمان تو اٹھا لانا"

بیوی نے فوراً تیر کمان لاکر دے دیا۔ اب مُلّا نے سفید چیز کی طرف نشانہ باندھ کر تیر پھینکا پھر خود بھی دوڑ کر اس چیز کے پاس پہنچ گئے۔ جب وہاں سے واپس آئے تو ان کی حالت بڑی

خراب ہو رہی تھی اور چہرے سے پریشانی ظاہر ہو رہی
تھی بیوی نے پوچھا "کیا بات ہے؟"
مُلّا نے جواب دیا۔ "بیگم! بڑی خیر ہو گئی۔ اللہ
نے جان بچالی میں نے جو تیر چلایا تھا وہ اپنی
قمیص پر جا کر لگا تھا۔ اگر خدا نخواستہ میں وہ قمیص
پہنے ہوتا تو آج تم بیوہ ہو گئی تھیں۔"

موم بتی کی حرارت

کہا جاتا ہے کہ مُلّا کے شہر کے قریب ایک بہت
اونچا پہاڑ تھا جس پر برف جمی رہتی تھی۔ ایک
مرتبہ انھوں نے اپنے دوستوں سے شرط لگائی کہ
وہ دسمبر جنوری کی سردی میں اس پہاڑ کی
چوٹی پر رات گزار سکتے ہیں۔ چنانچہ شرط کے مطابق
ایک سرد ترین رات کو مُلّا ایک موم بتی اور
کتاب لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور ساری رات
وہاں کاٹ دی۔ دوسرے دن صبح انھیں نیم مردہ
حالت میں نیچے لایا گیا۔ جب انھیں ذرا ہوش آیا
تو انھوں نے شرط کی رقم طلب کی۔ دوستوں
نے پوچھا "آپ کوئی چیز ایسی تو اوپر نہیں لے گئے
جس سے حرارت حاصل کی ہو؟"
مُلّا نے جواب دیا "نہیں کچھ نہیں!"
"کیا ایک موم بتی بھی ساتھ نہیں لے گئے!"
"ہاں ایک موم بتی تو یقیناً لے گئے تھے!"
"پھر تو آپ شرط ہار گئے ــــــ!"
نصرالدین اس وقت چپ ہو رہے۔ پھر کچھ دن
کے بعد ان سب کو اپنے یہاں دعوت دی
وقت مقررہ پر تمام احباب ان کے گھر آ پہنچے
مُلّا نے سب کو بیٹھک میں بٹھا دیا اور خود
گھر کے اندر بیٹھ رہے۔ کافی دیر ہو گئی تو مُلّا
نے سوچا کہ چلیں دیکھیں تو یہ بھوکے کس حال
میں ہیں؟ وہاں جا کر دیکھتے ہیں تو تمام دوست
باورچی خانے میں گھسے ہوئے ہیں جہاں ایک
دیگ پانی دو اینٹوں پر رکھا ہوا ہے اور نیچے
ایک موم بتی جل رہی ہے مگر دیگ کا پانی
اب تک گنگنا بھی نہیں ہوا تھا۔ مُلّا نے بڑی
سنجیدگی سے کہا۔
"کیا بتاؤں کل سے دیگ چڑھا رکھی ہے مگر
ب تک اس میں اُبال بھی نہیں آیا کھانا کیوں کر

پکے گا؟"

اس پر مُلّا کے دوستوں کو اپنی غلطی کا احساس ہُوا۔

اِحسان کا بدلہ

ایک مرتبہ نصرالدین اپنے خچر کو پانی پلانے کے لیے ایک تالاب پر لے گئے۔ تالاب کا کنارا بہت خطرناک تھا اور وہاں بڑی پھسلن تھی۔ خچر کے پھسل کر گرجانے کا اندیشہ تھا۔ مُلّا بہت ڈرے۔ اچانک مینڈکوں کی ٹرٹر سے خچر بھڑکا اور پیچھے کھسک گیا۔ مُلّا نے ایک اطمینان کا سانس لیا۔ خوشی میں آکر پیسے تالاب میں ڈال دیے، اور ساتھ ہی مینڈکوں سے کہنے لگے "مینڈکو! تمھارا بہت بہت شکریہ۔ یہ پیسے تمھارا اِنعام ہیں انھیں لو اور موج اُڑاؤ!"

لباس کی دعوت

ایک مرتبہ امیرِ شہر نے ایک دعوتِ عام کا اہتمام کیا۔ مُلّا نے اِس دعوت کا حال سنا تو خوشی خوشی خود بھی پہنچ گئے۔ وہاں ایک جمِ غفیر تھا۔ کافی فاصلے پر امیرِ شہر کا تخت تھا جس کے آس پاس بڑے بڑے سرداروں کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ ضیافت شروع ہو چکی تھی مگر مُلّا کی طرف کسی نے توجّہ نہ دی اور کافی فاصلے پر کھڑے سوچتے رہے کہ ان کی باری تقریباً گھنٹہ بھر بعد آئے گی۔ یہ خیال آتے ہی وہ سیدھے گھر گئے جلدی جلدی سب سے قیمتی پوشاک زیبِ تن کی نہایت نفیس عمامہ سر پہ رکھا اور بڑے جاہ و جلال کے ساتھ دوبارہ ضیافت گاہ میں واپس آئے امیرِ شہر کے کارندوں نے جب انھیں دیکھا تو استقبال کے لیے باہر نکل آئے۔ باجے بجنے لگے اور مُلّا کو بڑے اِحترام کے ساتھ امیرِ شہر کے قریب لے جاکر بٹھا دیا گیا۔ چند ہی لمحوں بعد ان کے آگے قِسم قِسم کے کھانے چُن دیے گئے۔ لیکن مُلّا نے خود کھانے کے بجائے وہ کھانے اپنے عمامے اور عبا پر ڈالنے شروع کر دیے۔ امیر نے یہ دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا اور مُلّا سے پوچھا "عالی مرتبت! آپ کے کھانا کھانے کا طریقہ

عجیب و غریب ہے۔ مُلّا نے سادگی سے جواب دیا:
"اس میں تعجب کی کیا بات ہے! اسی لباس
نے تو مجھے یہ مقام اور یہ کھانے عطا کیے ہیں؛
یہ تو اسی کا حصہ ہیں۔"

نصرالدین کا وعظ

ایک دن گاؤں والوں نے سوچا کہ مُلّا نصرالدین
بڑے عالم بنتے ہیں، اُن سے وعظ کرنے کو کہا
جائے۔ مقصد یہ تھا کہ ان کا مذاق اُڑایا جائے۔
چنانچہ بہت سے اہم لوگ مُلّا کے پاس گئے اور
کہا کہ اگلے جمعہ کو نماز سے قبل ان کا وعظ
ہوجائے۔ مُلّا تیار ہوگئے۔

چنانچہ جمعہ کے دن مسجد گاؤں والوں سے
کھچا کھچ بھر گئی۔ مُلّا منبر پر کھڑے ہوئے اور
نمازیوں کو مخاطب کرکے کہنے لگے "بھائیو! تمھیں
معلوم ہے کہ میں کیا کہنے والا ہوں؟"
لوگوں نے یک زبان ہوکر بلند آواز سے کہا
"ہمیں کچھ نہیں معلوم!"
مُلّا نہایت غضبناک ہوکر بولے "میں ایسے
مجمع کے سامنے وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا کوئی
علمی پس منظر نہیں" یہ کہہ کر وہ منبر سے اُتر آئے
اور اپنے گھر چلے گئے۔ اب گاؤں والوں کا
ایک وفد ان کے پاس گیا اور اُن سے معافی
مانگ کر اگلے جُمعہ کے وعظ کے لیے انھیں
تیار کیا۔ جُمعہ کو پھر مُلّا منبر پر پہنچے اور
مجمع سے مُخاطب ہوکر وہی سوال دُہرایا۔ اب
کے مجمع نے یک زبان ہوکر جواب دیا "جی ہاں ہم
لوگ بخوبی جانتے ہیں۔"
اس پر مُلّا نے کہا "جب آپ جانتے ہی ہیں
تو سمع خراشی کی کیا ضرورت ہے۔ آپ لوگ اپنا
وقت ضائع نہ کریں اور گھروں کو تشریف لے
جائیں۔" گاؤں والے مُلّا کے اس جواب پر بڑے
چکّر میں پڑ گئے اور صلاح و مشورہ کرکے انھوں نے
مُلّا کو تیسرے جُمعہ کے لیے پھر تیار کیا اور
آپس میں طے کیا کہ آدھے لوگ کہیں گے "ہاں"
اور آدھے لوگ کہیں گے "نہیں"۔ تیسرے جمعہ
کو جب مُلّا منبر پر کھڑے ہوئے اور اپنا پُرانا
سوال دُہرایا تو منصوبے کے مُطابق نمازیوں میں

سے کچھ نے ہاں اور کچھ نے نہیں کہا۔

اس پر مُلّا بڑے اطمینان سے بولے "بہت خوب! کچھ جانتے ہیں اور کچھ نہیں جانتے بہتر یہ ہے کہ جو لوگ جانتے ہیں وہ اپنی معلومات نہ جاننے والوں تک پہنچا دیں" یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے اور اپنے گھر کی راہ لی۔

فیصلہ

کسی زمانے میں مُلّا اپنے گاؤں میں جج کے عہدہ پر فائز کردیے گئے تھے۔ ایک دن اچانک ایک شخص جو بڑا پریشان حال تھا ان کی عدالت میں گھس آیا اور مُلّا سے بولا "حضور! میرے ساتھ انصاف کریں۔ گاؤں کے کسی بدمعاش نے میری ساری چیزیں لوٹ لیں کپڑے اور جوتے تک نہیں چھوڑے۔ مجھ پر رحم کریں اور بدمعاش کو تلاش کر کے میرا سامان مجھے دلوادیں۔"

مُلّا نے پوچھا "وہ بدمعاش تمھاری بنیان اور نیکر چھوڑ گیا؟"

"نہیں حضور! یہ چیزیں تو نہیں لے گیا وہ۔"

"پھر وہ بدمعاش ہمارے گاؤں کا نہ ہوگا، ہمارے گاؤں والے تو ہر کام مکمل انجام دیتے ہیں۔!"

بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا

ایک دن مُلّا کے چھوٹے بچے گھر کے سامنے والی سڑک پر کھیل رہے تھے۔ مُلّا بھی قریب بیٹھے ہوئے ان کی نگرانی کر رہے تھے۔ اتفاق سے کسی راہ گیر نے ایک بچے کو بلا کر مذاقاً پوچھا۔

"بیٹے! تم بتا سکتے ہو، بینگن کسے کہتے ہیں؟"

بچے نے فوراً جواب دیا "بس یوں سمجھیے کہ ایک گہرے نیلے رنگ کا بھینس کا بچہ جس نے ابھی آنکھیں نہ کھولی ہوں۔"

مُلّا یہ جواب سن کر انتہائی خوش ہوئے۔ دوڑ کر اپنے بچے کو گود میں اٹھا لیا اور چوما کر خوب پیار کیا پھر راہ گیر سے مخاطب ہو کر بولے "سنا آپ نے جواب ہمارے بیٹے کا — یہ اس نے خود ہی دیا ہے میں نے نہیں

سکھایا اِس کو ——— !"

جیسے کو تیسا

ایک دن مُلّا نصرالدین اپنے مکان کی چھت پر بیٹھے کوئی کام کر رہے تھے کہ مکان کے دروازے پر ایک فقیر نے دستک دی اور مُلّا کو دیکھ کر انھیں نیچے آنے کا اشارہ کیا۔ مُلّا اپنا کام چھوڑ کر نیچے گئے اور فقیر کے پاس جاکر اُس سے کام پوچھا۔ فقیر نے کہا۔

"اللہ کے نام پر کچھ مدد کرو میں غریب آدمی ہوں۔"

مُلّا سخت برہم ہوئے اور فقیر سے بولے۔

"یہی بات تم مجھے نیچے بُلائے بغیر بھی کہہ سکتے تھے ——؟"

"مجھے شرم آرہی تھی" فقیر نے جواب دیا۔

"جھوٹے وقار کا مظاہرہ نہ کرو، چلو میرے ساتھ اُوپر!" پھر مُلّا اُوپر چلے گئے۔ اور فقیر بھی پیچھے پیچھے پہنچ گیا۔ مُلّا نے اُوپر پہنچ کر اپنا کام شروع کر دیا اور سر اُٹھا کر فقیر سے کہہ دیا۔ "بابا! معاف کرو!"

دیکھنا کیا گرا؟

ایک دن کا ذکر ہے کہ مُلّا کے کمرے سے بڑے زور کی آواز آئی۔ مُلّا کی بیوی دوڑی ہوئی کمرے میں گئی اور دریافت کیا "یہ دھماکا کیسا ہوا؟"

"کوئی بات نہیں میرا جُبّہ گر پڑا تھا۔"

"مگر جُبّے کی اتنی زبردست آواز ——؟"

"ہاں اتفاق سے اس وقت میں اسے پہنے ہوئے تھا!"

قیامت

مُلّا نصرالدین کے پاس ایک دُنبہ تھا جو بڑا تندرست تھا۔ پڑوسی اُس کو ہمیشہ للچائی نظروں سے دیکھتے اور مُلّا سے کہتے تھے۔

"اس کا پلاؤ بہت اچھا پکے گا۔ اس میں چکنائی بہت ہے۔"

مُلّا ان لوگوں کو ہمیشہ جھڑک دیتے تھے۔ ایک

دن اُن کے تمام پڑوسی آپس میں صلاح مشورہ کرکے مُلّا کے پاس آئے اور اُن سے بولے۔

"مُلّا! چوبیس گھنٹوں کے اندر قیامت آنے والی ہے۔ اب اس دُنبے کو رکھنا بے سُود ہے۔ بہتر ہے کہ ہم لوگ پکا کر کھالیں۔" مُلّا راضی ہوگئے چنانچہ دُنبہ ذبح ہُوا۔ بریانی پکی اور سب نے شکم سیر ہوکر کھائی۔ کھانا کھا کر سب لوگ اپنے کوٹ اور صدریاں اُتار کر لیٹ گئے اور تھوڑی دیر میں ان کی آنکھ لگ گئی جب سب لوگ بے خبر سو گئے تو مُلّا چپکے سے اُٹھے سب کے کوٹ اور دُوسرے کپڑے ایک جگہ ڈھیر کیے اور ان میں آگ لگادی پڑوسی سوکر اُٹھے تو اپنے تمام کپڑے جلے ہُوئے پائے اور بہت ناراض ہُوئے۔ مُلّا نے جواب دیا۔

"بھائیو! اس میں خفگی کی کون سی بات ہے۔؟ کل قیامت آنے والی ہے۔ کپڑوں کی کیا ضرورت پڑے گی؟"

شرمندۂ خواب

ایک مرتبہ مُلّا نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص انھیں اس طرح روپے دے رہا ہے کہ مُلّا اپنا ہاتھ پھیلائے ہُوئے ہیں اور وہ ایک ایک روپیہ ڈالتا جارہا ہے۔ وہ جب نو روپے دے چکا تو اُس نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ مُلّا نے چیخ کر کہا۔

"ارے بھائی دسّ تو پورے کردے ——!"

یہ بات انھوں نے اتنی زور سے کہی کہ ان کی آنکھ کھُل گئی۔ اب انھوں نے اپنے ہاتھ دیکھے تو خالی تھے بس پھر کیا تھا۔ جلدی سے آنکھ بند کرلی اور کہنے لگے "بھائی مجھے نو ہی دے دے میں باقی ایک کا تقاضا نہ کروں گا۔"

دخل درمعقولات

ایک دفعہ مُلّا کے ایک پڑوسی کا بیل بے تحاشا بھاگا اور اس نے مُلّا کے مکان کی خوبصورت باڑ روند ڈالی۔ مُلّا اپنا کوڑا لے کر اس کے پیچھے دوڑے۔ اتفاق سے بیل جب اپنے گھر کے قریب

پہنچ گیا تھا تب مُلّا کا کوڑا اس پر پڑا۔ پڑوسی
نے مُلّا کو کوڑے سے مارتے دیکھا تو بولا۔
"آپ میرے بیل کو کیوں مار رہے ہیں؟"
نصرالدین نے جواب دیا
"خواہ مخواہ دخل در معقولات نہ کریں۔ میں جس
کو مار رہا ہوں اس کو مارنے کی وجہ معلوم ہے۔
میرا اس کا معاملہ ہے آپ بیچ میں بولنے والے
کون؟"

پردہ

جب مُلّا نصرالدین کی شادی ہوئی اور انھوں
نے پہلے پہل اپنی دُلہن کو دیکھا تو انہیں بڑا
رنج ہوا کیونکہ ان کی دُلہن بڑی بدشکل تھی۔
ابھی وہ اپنے غم میں مبتلا ہی تھے کہ دُلہن
نے ان سے سوال کر دیا۔
"میرے سرتاج! مجھے بتائیے کہ میں کس
کس سے پردہ کروں اور کس کس کے سامنے آؤں؟"
"تمھاری مرضی جس کے سامنے جاؤ لیکن
خدا را جہاں تک ممکن ہو میرے سامنے نہ آؤ۔"

جان بچی لاکھوں پائے

نصرالدین جب ہندوستان میں تھے تو ان کا
گزر ایک مکان کے سامنے سے ہوا جس کے
دروازے پر ایک سادھو بیٹھا ہوا تھا۔ مُلّا نے
سوچا کہ چلو اس سادھو سے ملاقات کی جائے
یہ بھی دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے بھگوان کی
یاد میں مگن ہے، مجھ میں اور اس میں بہت
سی باتیں ہی ملتی ہیں۔ یہ سوچ کر وہ اس کے پاس
گئے اور اس کی خیریت پوچھی۔ سادھو نے جواب
دیا۔
"میں ایک جوگی ہوں، مجھے دنیا سے کچھ سروکار
نہیں مخلوقِ خدا کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتا
ہوں اور چرند پرند کی سیوا تو میرا کام ہی ہے"
مُلّا نے کہا۔
"مجھے آپ کے خیالات بے حد پسند آئے ہیں
آپ مجھے اپنا شاگرد بنائیں مجھے بھی چرند پرند سے
بڑی محبت ہے ایک مرتبہ ایک مچھلی نے میری
جان بچائی تھی۔"

سادھو مُلّا کا جواب سُن کر بہت خوش ہُوا اور بولا۔

"پھر تو بڑی خوشی سے آپ میرے حلقے میں شامل ہوجائیں۔ میں نے اپنی عُمر جانوروں کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی ہے مگر میرے ساتھ کبھی ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کہ کسی جانور نے میری جان بچائی ہو۔"

اس طرح مُلّا نصرالدین اس جوگی کے چیلے ہوگئے اور جوگی کی بتائی ہُوئی شکتیں اور تپسیا کرنے لگے۔ کچھ عرصے کے بعد جوگی نے مُلّا سے کہا۔

"اب تو ہم تم کافی قریب آچکے ہیں۔ مناسب سمجھو تو اپنی زندگی کا وہ اہم واقعہ سُناؤ جب مچھلی نے تمھاری جان بچائی تھی۔" مُلّا بولے "میں اتنا عرصہ تمھارے پاس رہنے اور تمھاری باتیں سُننے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم اس واقعہ کو سُننے کے اہل نہیں کیوں کہ تم اس کی اہمیت کو محسوس نہیں کرسکتے۔"

اس پر جوگی بہت افسردہ ہُوا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ پھر اس نے مُلّا کے قدموں کے پاس سر رکھ دیا اور گڑگڑا کر کہنے لگا

"خدا کے لیے مجھے اتنے اہم واقعہ سے محروم نہ کیجیے۔" مُلّا نے کہا۔

"نہیں مانتے تو سُنو۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ میں سخت پریشانی کے عالم میں تھا کئی فاقے گزر چکے تھے۔ اتفاق سے ایک دوست ایک مچھلی لے کر آگئے میں نے فوراً اسے جلدی جلدی بھونا اور اس کو کھا کر ہلاک ہونے سے بچ گیا۔"

مرحومہ کی یاد

ایک دفعہ مُلّا کی بیوی اُن سے کسی بات پر سخت ناراض ہوگئی۔ اس نے سوچا کہ مُلّا کو مزہ چکھایا جائے۔ چنانچہ اس نے ہڈیوں کا شوربا، جو مُلّا روزانہ صبح پیتے تھے، کھولتا ہُوا اُن کے سامنے لاکر رکھ دیا کہ ان کا مُنہ جلنے لگا تو مزہ آئے گا اور پھر کبھی وہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کریں گے مگر مُلّا نے اس کو پاس بٹھا کر باتوں میں لگا لیا اور وہ ایک لمحے کے لیے بھول گئی کہ شوربا گرم

ہے۔ چنانچہ جب مُلا نے محبت سے اس کو شوربا
پینے کو کہا تو وہ پیالہ اٹھا کر پینے لگی لیکن
جیسے ہی شوربا ہونٹوں سے لگا، اس نے جھٹ
میز پر رکھ دیا تاہم اس کی آنکھوں میں آنسو
آ گئے۔ مُلا نے آنسو دیکھ کر پوچھا۔

"یہ آنکھوں میں آنسو کیسے؟"

"کچھ نہیں! ذرا اماں مرحومہ یاد آ گئی تھیں
وہ بھی خدا بخشے اسی طرح شوربا پیا کرتی
تھیں۔"

اب مُلا نے پیالہ اٹھا کر خود بھی ایک
گھونٹ پیا تو ان کا منہ جل گیا اور آنکھوں
سے آنسو بہہ نکلے اس پر بیوی نے پوچھا

"خیر تو ہے یہ رو کیوں رہے ہو؟" مُلا نے
جواب دیا۔

"اس بات پہ رو رہا ہوں کہ تمھاری ماں
خود تو مر کر جنت کو سدھار گئیں مگر تم کو
زندہ چھوڑ کر میری زندگی جہنم بنا گئیں۔"

صحیح تعارف

ایک مرتبہ کچھ لوگ بدحواسی کے عالم میں
بھاگتے ہوئے مُلا کے پاس پہنچے اور ان سے
کہا۔

"غضب ہو گیا! تمھاری ساس دریا میں ڈوب
گئی۔ جلدی چلو ورنہ پانی کے بہاؤ میں اس کی
لاش تک کا پتا نہ چلے گا۔"

مُلا نے جو یہ سنا تو فوراً دریا کی طرف
دوڑ پڑے اور ساحل پر پہنچتے ہی دریا میں
چھلانگ لگا دی۔ مگر پانی کے بہاؤ کے رُخ پر
تیرنے کے بجائے مخالف سمت میں تیرنے لگے
لوگوں نے جب انھیں ٹوکا تو بولے۔

"تم لوگ نہیں جانتے! میں اپنی ساس کو اچھی
طرح پہچانتا ہوں۔ ساری دنیا جب پانی کے بہاؤ
کے رُخ پر ہو گی تو وہ مخالف سمت میں یقیناً
تیر رہی ہوں گی۔"

مرنے کے بعد

ایک دفعہ مُلا نصر الدین کسی قبرستان میں سیر
گشتی کر رہے تھے کہ اچانک ایک خستہ حال قبر
پر سے ان کا گزر ہوا اور قبر دھنس گئی۔ مُلا بھی

اس کے ساتھ ہی قبر کے اندر سما گئے۔ انھوں
نے آنکھیں بند کرلیں اور سوچنے لگے کہ دیکھیں
مرنے کے بعد کیسا لگتا ہے؟ اسی دوران کہیں
سے شور وغل کی آواز سنائی دی۔ مُلّا سمجھے کہ
منکر نکیر سوال جواب کے لیے آنے والے ہیں
مگر حقیقت یہ تھی کہ قبر کے پاس سے اونٹوں
کا قافلہ گزر رہا تھا۔ مُلّا نے جونہی منکر نکیر کا
تصوّر کیا، ان کی حالت خراب ہونے لگی۔ وہ
فوراً اُچھل کر قبر سے باہر نکل آئے اور بھاگ
کر ایک دیوار پر بیٹھ گئے۔ ان کی اس اُچھل
کود سے اونٹ بھاگنے لگے اور قافلے میں ایک
افرا تفری پھیل گئی۔ اس پر قافلے والے بہت
برہم ہوئے اور انھوں نے مُلّا کے دو تین لکڑیاں
جڑ دیں۔ مُلّا بے چارے مار کھا کے سیدھے گھر کی
طرف بھاگے۔ بیوی نے جو ان کی بُری حالت
دیکھی تو پوچھا "کیا بات ہے ــــ اتنی دیر کہاں
لگادی؟"

"میں آج مر گیا تھا،" مُلّا نے جواب دیا۔
"موت کیسی ہوتی ہے؟" بیوی نے مزہ لیتے

ہوئے پوچھا
"بُری تو نہیں ہوتی ــــ البتہ شرط یہ ہے کہ
اونٹ گڑبڑ نہ کریں ورنہ فرشتے بڑی سزا دیتے
ہیں۔"

جلدی اُٹھنا

مُلّا نصرالدّین کے والد نے کہا "بیٹے۔ صبح جلدی
سو کر اُٹھنا چاہیے۔"
"کیوں، ابّا جان؟"
"یہ بڑی اچھی عادت ہے ــــ ایک مرتبہ میں صبح
سویرے اٹھ کر ٹہلنے کے لیے نکلا تھا تو راستے
میں مجھے سونے سے بھری ہوئی تھیلی پڑی ملی
تھی۔"
"کسی کی گر گئی ہوگی، اس غریب کا نقصان ہوا
اور آپ کا فائدہ یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہوئی"
"نہیں نصرالدّین یہ بات نہیں ہے، میں نے رات
خود دیکھا تھا، وہاں کوئی تھیلی نہیں تھی۔"
"مگر ضروری تو نہیں کہ جو صبح جلدی اٹھے اس
کو سونے کی تھیلی مل جائے۔ ممکن ہے جس کی

گری ہو وہ آپ سے پہلے وہاں چہل قدمی کے لیے گیا ہو!"

حقیقی خوشی

نصر الدین ایک سڑک پر چلے جا رہے تھے کہ ایک کنارے ایک آدمی نظر پڑا جو مصیبت زدہ معلوم ہوتا تھا۔ مُلا اپنی عادت سے مجبور تھے وہ اس کے پاس پہنچ گئے اور اس سے وجہ پوچھنے لگے۔ اس نے کہا۔

"بھائی! یہ دنیا بڑی خراب جگہ ہے یہاں کوئی آدمی سُکھی نہیں۔ مجھے اللہ نے روپیہ پیسہ مال و دولت سبھی کچھ دے رکھا ہے لیکن دل بجھا بجھا سا رہتا ہے اس لیے میں خوشی کی تلاش میں گھر سے نکلا ہوں۔"

آدمی ابھی اپنی بات پوری نہ کر پایا تھا کہ مُلا اس کی گٹھری اٹھا کر نو دو گیارہ ہو گئے۔ مسافر نے کچھ دور تک ان کا پیچھا کیا لیکن مُلا بھلا کہاں پکڑ میں آنے والے تھے۔ وہ راستے سے واقف تھے گلیوں کی بھول بھلیوں میں چکر کاٹ کر غائب ہو گئے مگر تھوڑی ہی دیر بعد گٹھری لے کر دوبارہ اس مُسافر کے ٹھکانے سے تھوڑے فاصلے پر پہنچے۔ گٹھری بیچ سڑک میں رکھ دی اور خود ایک جھاڑی میں چھپ کر اس کی حفاظت کرنے لگے۔ مُسافر کی نظر جیسے ہی اپنی گٹھری پر پڑی وہ اس کی طرف دوڑ پڑا اور اس کو پاکر خوشی سے پھولا نہ سمایا اب مُلا اپنی کمین گاہ سے نکلے اور مُسافر کے پاس پہنچ کر بولے

"یہ بھی ایک طریقہ ہے خوشی حاصل کرنے کا ---!"

سمندر کا جاہ جلال

ایک مرتبہ مُلا نصر الدین سمندر کے کنارے پہنچے سمندر کی لہریں بڑے طوفانی انداز میں اُٹھ رہی تھیں مُلا اُس کی قوت اور شان و شوکت دیکھ کر بہت متاثر ہوئے پانی کا نیلا رنگ اور لہروں سے نکلنے والا سفید جھاگ انھیں بہت پسند آیا پانی چھونے کے شوق میں وہ اس کے قریب آ گئے پھر ایک چُلو بھر کر پیا اور اس کا کھاری مزہ چکھ کر منہ بنایا اور کہنے لگے۔

"لاحول ولا قوۃ! دیکھنے میں تو اتنی شان و شوکت ہے مگر اس کی اصل اس قدر کڑوی۔"

تقسیم کار

ایک مرتبہ مُلّا بحری جہاز پر سوار کہیں جا رہے تھے۔ جہاز پر کپتان اور عملے کے ایک آدمی کے علاوہ چوتھا آدمی نہ تھا۔ اچانک سمندر میں طوفان آگیا اور جہاز اس میں پھنس گیا۔ جب کپتان اور عملے کا آدمی جہاز کو طوفان سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کر چکے اور کوئی کامیابی نہ ہوئی تو وہ سجدے میں گر پڑے اور اللہ سے رو رو کر دُعائیں مانگنے لگے۔ مُلّا اُن کے پاس ہی سیدھے کھڑے رہے۔ کپتان نے سجدے سے سر اٹھایا تو دیکھا مُلّا بڑے اطمینان سے کھڑے ہیں۔ کپتان بے چارہ بہت پریشان تھا اس نے مُلّا سے کہا۔ "محترم آپ بزرگ ہیں دُعا کیجیے کہ خدا جہاز کو طوفان سے نکال دے۔ شاید آپ ہی کی دعا قبول ہو جائے۔"

"جی نہیں!" مُلّا نے جواب دیا "یہ میرا کام نہیں ہے۔ جہاز کی حفاظت سراسر آپ لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ میں تو مُسافر ہوں۔"

اِحتیاط

ایک عورت سے مُلّا نصرالدین کی بیوی کی بڑی دوستی تھی۔ وہ اکثر مُلّا کے گھر آتی اور گھنٹوں بیٹھی رہتی اکثر کھانا بھی وہیں کھالیتی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مُلّا کوئی کھانے پینے کی چیز بازار سے لائے تو بیوی نے وہ چیز اس کو کھلادی۔ ایک مرتبہ مُلّا نے بیوی سے پُوچھ ہی لیا میں جو چیزیں لاتا ہوں، وہ آخر کہاں چلی جاتی ہیں؟

بیوی نے جواب دیا "بلی کھا جاتی ہے۔"

مُلّا نے جو یہ جواب سُنا تو فوراً دوڑے ہُوئے گئے اور اپنی کلہاڑی اٹھا کر بکس میں رکھ آئے۔ اس پر بیوی کو بڑا تعجب ہُوا۔ اُس کی سمجھ میں نہ آسکا کہ مُلّا نے کلہاڑی بکس میں کیوں رکھ دی بالآخر اس نے پُوچھ ہی لیا تو مُلّا نے جواب دیا۔

"نیک بخت! میں نے کلہاڑی اس لیے چھپادی ہے کہ اس کی قیمت کھانے پینے کی چیزوں سے کئی گنا زیادہ ہے۔ جب بلّی سستی چیزیں نہیں چھوڑتی تو یہ مہنگی چیز بھلا کب چھوڑنے لگی!"

وقت کی کمی

ایک مرتبہ مُلّا نے ایک گدھا خریدا۔ مالک نے گدھا بیچتے وقت مُلّا کو بتایا کہ اس کی خوراک زائد ہے، اسے کم نہ کرنا۔ مُلّا نے جواب دیا "قبلہ آپ فکر نہ کریں۔ میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ خوراک تو ہمارے ہاتھ میں ہے، خواہ کم کریں یا زیادہ ——!"

یہ کہہ کر مُلّا گدھا اپنے گھر لے گئے اور اسے بتائی ہوئی مقدار میں خوراک دینی شروع کی لیکن آہستہ آہستہ کم کرنے لگے۔ خوراک کم ہونے سے گدھا کمزور ہونے لگا اور آہستہ آہستہ ایک دن ایسا بھی آیا جب اس کی خوراک نہ ہونے کے برابر رہ گئی اب وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ آخر کچھ دنوں بعد گدھا چل ہی بسا۔ گدھے کی موت پر مُلّا کہنے لگے "افسوس! تمھاری عمر نے وفا نہ کی ورنہ میں تمھیں بغیر خوراک کے زندہ رہنے کا عادی بنا لیتا!"

پیٹ کے درد کا علاج

ایک مرتبہ نصرالدین اپنے ایک بیمار دوست کی عیادت کو گئے۔ ابھی وہ اس کے پاس ہی بیٹھے تھے کہ ڈاکٹر نے پہلے اچھی طرح اس کو دیکھا پھر اس سے کہنے لگا۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ دو ایک دن میں ٹھیک ہوجائیں گے البتہ ایک خیال رکھیے گا کہ آیندہ کچے سیب نہ کھائیے گا۔" مُلّا کو اتنی صحیح وجہ بیان کرنے پر بڑا اچنبھا ہوا۔ انھوں نے ڈاکٹر سے پوچھ ہی لیا۔

"ڈاکٹر صاحب! آپ نے یہ کیسے بتا دیا کہ میرے دوست نے کچے سیب کھائے ہیں؟"

"یہ کون سی مشکل بات ہے" ڈاکٹر نے جواب دیا "آپ موقع محل کا بھانپنا سیکھ لیں تو آپ بھی میری طرح بتانے لگیں گے دیکھیے جب میں

مریض کے کمرے میں داخل ہُوا تو میں نے
اس کی چار پائی کے نیچے سیب کے کچھ
ٹکڑے پڑے دیکھے۔ بس میں سمجھ گیا کہ یہ
ضرور مریض ہی نے کھائے ہیں۔" نصرالدین نے
ڈاکٹر کا شکریہ ادا کیا اور اپنے گھر کی راہ لی۔

کچھ ہی دنوں کے بعد مُلّا کے ایک دوست
کی طبیعت خراب ہوئی اور وہ اُسے دیکھنے پہنچے
تو اس کی بیوی نے بتایا کہ انھیں پیٹ کا درد
ہے۔ مُلّا نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور کمرے
کے ایک کونے میں گھوڑے کا ساز رکھا دیکھ
کر اُس سے کہا۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں، مریض دو ایک
دن میں ٹھیک ہوجائے گا ــــ البتّہ اس بات کا
خیال رکھیے کہ آیندہ یہ گھوڑے کی زین اور لگام
وغیرہ کھانے نہ پائیں ــــ!"

خوشامد سے آمد

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین نے سر پر ایک بڑی
اور خوبصورت پگڑی باندھی اور شاہی دربار میں
حاضر ہوئے۔ اُن کا خیال تھا کہ بادشاہ کو یہ پگڑی
پسند آجائے گی اور وہ منہ مانگے داموں خرید لے
گا۔ ان کا خیال درست ثابت ہُوا۔ بادشاہ نے مُلّا
کو دیکھتے ہی پُوچھا۔

"مُلّا! اتنی شاندار پگڑی تُم نے کتنے میں خریدی؟"

"عالی جاہ ایک ہزار دینار میں!"

بادشاہ کا وزیر یہ باتیں سن رہا تھا۔ وہ بیچ
میں بول پڑا۔

"عالم پناہ! اس پگڑی کے ایک ہزار دینار
تو کوئی احمق ہی دے سکتا ہے!"

وزیر کی بات بادشاہ کی سمجھ میں آگئی وہ
کہنے لگا۔

"ہاں مُلّا! وزیر ٹھیک ہی تو کہتا ہے۔
پگڑی کے اتنے دام تو آج تک ہم نے نہیں
سُنے۔ تُم نے اتنی مہنگی پگڑی کیوں خریدی؟"

"جی عالم پناہ! مَیں نے یہ سوچ کر پگڑی
خریدی کہ دُنیا کے شہنشاہوں میں ایک صرف
حضور کی ذات گرامی ہے جو اتنی قیمتی چیز
خرید سکتی ہے!" مُلّا نے جواب دیا۔

بادشاہ نصیرالدین کی یہ بات سُن کر بے انتہا
خوش ہُوا۔ اس نے اسی وقت حکم دے
دیا کہ مُلّا کو دو ہزار دینار دے دیے جائیں اور
پگڑی خرید لی جائے۔ جب پگڑی کا سودا ہوگیا
تو مُلّا وزیر کے پاس گئے اور اس سے بولے۔
"ممکن ہے تمھیں پگڑیوں کی قیمتیں معلوم ہوں
لیکن مجھے بادشاہوں کی کمزوریاں معلوم ہیں۔
کیا سمجھے جناب!"

تلوار کی مدد

"کدھر مُلّا جی ——؟"
"ذرا شہر تک جا رہا ہوں۔"
"ارے کہاں کہا آپ نے۔ خچر لے کر نہ
جایئے راستا سنسان ہے کوئی چور اُچکا مل گیا
تو خچر چھین لے جائے گا۔ اُسے یہیں اصطبل میں
باندھ جایئے۔"
مُلّا نے پہلے تو سوچا کہ خچر چھوڑ جائیں لیکن
فوراً ہی خیال آیا کہ اصطبل سے بھی تو چوری
ہو سکتی ہے؟ اس لیے لے جانا ہی بہتر ہے۔
اس طرح پیدل سفر سے بچ جائیں گے۔ یہ سوچ
کر وہ خچر پر ہی چل دیے دوست نے جب
دیکھا کہ وہ نہیں مانتے تو احتیاطاً اپنی تلوار
دے دی تاکہ مُلّا کسی ناخوشگوار موقع پر اپنی حفاظت
کر سکیں۔ چلتے چلتے مُلّا ایک سنسان راستے پر پہنچے
تو انھیں ایک آدمی اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔
وہ سمجھ گئے کہ یقیناً یہ کوئی بدمعاش ہے اور
خچر چھیننے آرہا ہے چنانچہ وہ تیار ہوکر بیٹھ گئے
جونہی وہ راہ گیر اِن کے قریب پہنچا مُلّا نے
اِسے روک کر کہا۔
"بھائی تم چاہو تو یہ تلوار لے لو لیکن میرا
خچر میرے پاس رہنے دو۔"
وہ آدمی پہلے تو ڈرا لیکن اُن کے اصرار پر
اس نے تلوار قبول کرلی اور اپنی خوش قسمتی پر
ناز کرتا اپنے رستے پر چل دیا۔ مُلّا جب شہر سے
واپس اپنے گاؤں پہنچے تو وہی دوست مل گیا
جس نے انھیں تلوار دی تھی۔ مُلّا بولے۔
"یار تم ٹھیک کہتے تھے۔ تلوار بہت کام
آئی تمھاری تلوار سے نہ صرف ہماری جان بچ

گئی بلکہ پتھر بھی بچ گیا۔"

دور اندیشی

ایک زمانے میں مُلّا نصرالدین کسی رئیس کے یہاں باہر کے کام پر ملازم تھے۔ رئیس کو مُلّا سے شکایت تھی کہ وہ بہت سُست رو ہیں، بازار سے تین انڈے بھی منگاتا ہوں تو تین مرتبہ بازار جاتے ہیں اور ایک ایک کرکے لاتے ہیں۔ رئیس نے بار بار انہیں نصیحت کی تو مُلّا کو احساس ہُوا اور انھوں نے اپنی اِصلاح کی ٹھان لی۔

ایک مرتبہ رئیس کے پھوڑا نکل آیا۔ اس نے مُلّا سے ڈاکٹر لانے کو کہا تو مُلّا بڑی تیزی سے چلے گئے تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر کو لے کر واپس لوٹے تو اُن کے ساتھ بہت سے دُوسرے آدمی بھی تھے۔

رئیس نے مُلّا سے پُوچھا "یہ اتنے بہت سے آدمی کیوں آئے ہیں؟"

"حضور میں اِنھیں اِحتیاطاً لیے آیا ہوں ہو سکتا

ہے کہ ڈاکٹر پھوڑے پر پلٹس باندھنے کو کہے تو یہ پلٹس بنانے والا آدمی ہے، دو اس کے نائب ہیں، ایک عطّار ہے جو پلٹس کی دوائیں مہیا کرے گا، ایک کوئلے والا ہے جو پانی گرم کرنے کے لیے فوری طور پر کوئلہ فراہم کر دے گا۔ سب سے پیچھے والا آدمی کفن دفن کا انتظام کرتا ہے، خدا نخواستہ آپ نہ بچ سکے تو اس کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔"

کردار اور گفتار

ایک دن مُلّا چائے خانے میں بیٹھے ہُوئے تھے۔ اِتفاق سے اس وقت وہاں کوئی مُسافر بھی آیا ہُوا تھا جو اپنے علمی دورہ پر تھا اور کئی ملکوں میں گھوم کر مُلّا کے گاؤں پہنچا تھا گاؤں کے بے شمار آدمی چائے خانے میں اکٹھے تھے اور بڑی دل چسپی سے مُسافر کی باتیں سُن رہے تھے اِتفاق سے کسی آدمی نے مُسافر کو کسی بات پر ٹوک دیا اس کو غصّہ آگیا، اس نے جیب سے ڈائری نکالی اور میز پر

ٹیکتے ہوئے بولا۔
"آپ کو یقین نہیں آتا تو لیجیے، یہ ڈائری پڑھ لیجیے۔ میں نے اس میں اپنے ہاتھ سے یہ باتیں لکھی ہیں!"
گاؤں والے بھلا کیا پڑھتے ـــــ ان میں سے ایک بھی تو پڑھا لکھا نہ تھا۔ سب کے سب خاموش ہو گئے اور مسافر سے داستان جاری رکھنے کی درخواست کی۔
کچھ دنوں کے بعد مُلّا کی رگِ شرارت پھڑکی وہ اسی چائے خانے میں پہنچے اور لوگوں کو مخاطب کرکے بولے "آپ میں سے کوئی صاحب مکان خریدنا چاہتے ہیں؟"
چائے خانے میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک بولا "اجی حضرت! یہ کون سا مکان بیچ رہے ہیں؟ آپ کے پاس اپنا تو کوئی مکان نہیں ہے؟"
مُلّا نصرالدین نے اپنی آواز اونچی کرتے ہوئے کہا "کردار میں گفتار سے زیادہ قوت ہوتی ہے!"

یہ کہہ کر مُلّا نے اپنے جبّے کی بغلی جیب سے ایک اینٹ نکالی اور میز پر ٹیکتے ہوئے بولے۔ "یہ ہے میرے مکان کی ایک اینٹ! اس کو خوب اچھی طرح دیکھ لیجیے۔ مکان اسی اینٹ کا بنا ہوا ہے اور میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے"

پرایا خط

مُلّا نصرالدین پڑھنا لکھنا کچھ واجبی سا جانتے تھے لیکن گاؤں والوں میں سب سے زیادہ پڑھے لکھے مانے جاتے۔ ایک مرتبہ ایک دیہاتی ان کے پاس آیا اور اس نے ان سے ایک خط لکھنے کے لیے کہا۔ مُلّا نے پیچھا چھڑانے کی بہت کوشش کی لیکن دیہاتی نہ مانا تو اس کے اصرار پر کاغذ قلم لے کر بیٹھ گئے اور خط لکھنا شروع کر دیا۔ جب خط لکھ چکے تو دیہاتی نے کہا۔ "مُلّا صاحب۔ ایک مرتبہ پڑھ کر تو سنا دیجیے، شاید کوئی بات چھوٹ گئی ہو تو وہ بھی لکھوا دوں۔"
مُلّا نے لکھنے کو تو خط لکھ دیا تھا لیکن اس

کا پڑھنا ایک وبال تھا۔ تحریر کیا تھی کیچوے
بنے ہوئے تھے آخر مُلّا نے کچھ دیر تک تحریر
کو گھورا پھر بڑی مشکل سے اتنا پڑھ پائے
"پیارے بھائی السلام علیکم!"
اس کے بعد وہ چُپ ہوگئے۔ دیہاتی نے ٹوکا
"آگے کیا لکھا ہے؟"
مُلّا بولے "آگے لکھا ہے ——— پیلا ——— نہیں نہیں
پہلا ——— کالو ——— نہیں بھائی نہیں پہلا کام..."
جب مُلّا بالکل نہ پڑھ سکے تو بولے۔
"آپ بھی کیا غضب کرتے ہیں! بھائی کسی
دوسرے کا خط ہرگز نہیں پڑھنا چاہیے۔ لیجیے
لے جائیے اپنا خط"

کام کی بات

ایک مرتبہ مُلّا اپنے ایک شاگرد کے ساتھ کسی
دوسرے شہر جا رہے تھے۔ دونوں نے درویشوں
کا حلیہ بنا رکھا تھا۔ کھانے کا وقت آتا تو وہ
کسی بڑے مکان کے قریب پہنچ جاتے۔ اہلِ
خانہ کو دعائی طریقے پر دُعائیں دیتے اور ان
سے کھانا طلب کرتے۔ لوگ ان کے حلیہ اور
بزرگی سے بہت متاثر ہوتے اور اچھی سے اچھی
غذائیں کھلاتے۔
دونوں کا کھانے کا طریقہ مختلف تھا۔ مُلّا تو خوب
پیٹ بھر کر کھا لیتے اور جم کر سو جاتے لیکن اُن
کا شاگرد صرف تھوڑا سا کھانا کھاتا، اوپر سے پانی
پیتا۔ پھر دو چار بار اٹھتا بیٹھتا، پیٹ کو ہلاتا، پھر
کھانے بیٹھ جاتا۔ تھوڑا سا کھا کر پھر پانی پیتا اور
پھر ہلتا ڈُلتا۔ اس طرح کئی بار میں وہ اپنی
خوراک مکمل کرتا۔ اس دوران مُلّا سوتے ہوتے۔
ایک دن اتفاق سے مُلّا کی آنکھ کھل گئی۔
انھوں نے شاگرد کو عجیب و غریب حرکتیں کرتے
دیکھ لیا۔ بس پھر کیا تھا، انھوں نے شاگرد سے
پوچھا "میاں۔ تم اس طریقے سے کھانا کیوں کھاتے
ہو ———؟"
شاگرد نے جواب دیا "مُلّا صاحب! بات دراصل
یہ ہے کہ میں ایک وقت بہت سا کھانا نہیں
کھا سکتا اس لیے تھوڑا کھا کر اوپر سے پانی پیتا
ہوں جس سے وہ کھانا معدے میں بیٹھ جاتا ہے

اور کافی جگہ ہوجاتی ہے پھر تھوڑا کھاتا ہوں
اور پانی پیتا ہوں اس سے کھانے کی دوسری
تہہ بیٹھ جاتی ہے۔ اس طرح میں کھانے کی بہت
سی تہیں بٹھا لیتا ہوں اور یوں زیادہ کھانا
کھا لیا جاتا ہے۔"

ملا بہت ناراض ہوئے پاؤں سے جوتی
اتار کر شاگرد کے دو تین جڑ دیں پھر بولے۔
"ارے نالائق! اتنے کام کی بات تو نے آج
تک مجھے نہ بتائی۔ افسوس کتنے رزق سے تو نے
مجھے محروم رکھا!"

کمی

ایک دفعہ شہنشاہ شکار کھیلنے کے لیے نکلا
تو ملا نصر الدین کے گاؤں سے گزرا۔ ملا اپنے
چائے خانے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کو دیکھ
کر شہنشاہ چائے خانے کے قریب رک گیا اور
بولا۔

"ملا! میں شکار پر جا رہا ہوں، تم ایسا کرو
کہ چھ انڈے کا آملیٹ بنوا دو تاکہ وہ بھی ساتھ
رکھ لوں۔ پتا نہیں کب تک واپسی ہو۔"

ملا نے جھٹ آملیٹ بنوا کر شہنشاہ کے ہمراہیوں
کے حوالے کر دیا۔ شہنشاہ نے قیمت پوچھی تو ملا
نے کہا: "تین ہزار دینار! عالی جاہ!!"

شہنشاہ نے اتنی قیمت سنی تو چونک پڑا اور
تیوری پر بل ڈال کر پوچھا: "ہائیں! اتنی قیمت
کیا انڈوں کی یہاں بہت کمی ہے ـــ؟"

"عالم پناہ! انڈوں کی تو کمی نہیں ہے البتہ
بادشاہوں کے آنے کی کمی ہے ـــ وہ تو
کبھی کبھی آتے ہیں!"

دفینے

ایک مرتبہ بادشاہ نے نصر الدین کو تعینات
کیا کہ وہ ملک کے کونے کونے میں جا کر
بزرگانِ دین اور صوفیاء کے بارے میں معلومات
اکٹھا کریں۔ ملا حسب ہدایت شہر شہر اور گاؤں
گاؤں پھرے اور ہر چھوٹے بڑے آدمی سے
گزرے ہوئے اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کی
باتیں، ان کی کرامات اور فیضان کے بارے میں

معلومات حاصل کیں۔ واپس آئے تو بادشاہ کی خدمت میں رپورٹ پیش کی مگر اس میں صرف ایک لفظ لکھا تھا وہ لفظ تھا "گاجر ــــــ!"

بادشاہ اسے پڑھ کر بہت متعجب ہوا۔ اس نے فوراً مُلّا کو طلب کیا اور مُلّا نے خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: "حضور! گاجر کا مطلب یہ ہے کہ بزرگوں کے حالات کا بہترین حصہ تو زمین کے اندر دفن ہے جس طرح سبز پتے باہر ہونے سے گاجر کا حال کسان کو معلوم ہوتا ہے، اسی طرح زمین سے دفینے نکالنے کے لیے ایک بڑی تعداد میں گدھے درکار ہیں!"

حاضر دماغی

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین اپنے ایک دوست کے ساتھ ایک ہوٹل میں کھانا کھانے گئے۔ دونوں نے طے کیا کہ ایک ہی پلیٹ میں کھائیں گے، اس طرح سستا پڑے گا اور کچھ پیسے بچ جائیں گے۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ کیا چیز منگوائی جائے جو دونوں کو پسند ہو۔ مُلّا کہہ رہے تھے

کہ ... ان کا دوست بضد تھا کہ ... بھنا ہوا گوشت ... سبزی کھاؤں گا۔

کافی بحث مباحثے کے باوجود دونوں کسی ایک چیز پر متفق نہ ہو سکے چنانچہ مُلّا نے اپنی بھوک سے مجبور ہوکر شکست تسلیم کر لی اور سبزی پر راضی ہو گئے۔ مگر سبزی کا آرڈر دینے کے بعد ہی مُلّا کے دوست کی حالت اچانک بگڑنے لگی اور وہ ہوٹل کی بینچ پر لیٹ گیا۔ مُلّا فوراً کھڑے ہو گئے اور ایک طرف کو بھاگے۔ پاس بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے پوچھا "کیا آپ ڈاکٹر کو بلانے جا رہے ہیں؟"

مُلّا بولے: "جی نہیں! میں یہ دیکھنے جا رہا ہوں کہ سبزی کی جگہ بھنا گوشت آسکتا ہے یا نہیں؟"

دِلوں کی قسمیں

ایک آدمی نے مُلّا سے پوچھا: "آج کون سا دن ہے ــــ؟"

مُلّا نے جواب دیا: "معاف کیجیے گا مجھے نہیں

معلوم ——— میں اس علاقے میں نیا نیا آیا ہوں پتا
نہیں یہاں دنوں کا کیا حساب ہے؟"

چوتھا عقلمند

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین کسی ریگستان سے گزر
رہے تھے۔ جہاں ہُو کا عالم تھا۔ وہ یکہ و تنہا
اپنی دُھن میں چلے جا رہے تھے کہ اچانک انھوں
نے تین عرب بدّوؤں کو ننگی تلواریں لیے آتے
دیکھا۔ وہ لوگ باہم بحث و تکرار کر رہے تھے اور
ایسا لگتا تھا کہ عنقریب ایک دوسرے پر حملہ آور
ہوجائیں گے۔ مُلّا ان کے قریب جانا تو نہیں
چاہتے تھے لیکن ڈر کے بھاگنا بھی مناسب نہ سمجھا
کیوں کہ وہاں کوئی راستہ نہ تھا۔ چاروناچار ان
کے قریب پہنچے تو وہ اس بات پر لڑ رہے تھے
کہ سامنے والی مسجد کے مینار اتنے اونچے کیوں
کر بنے ——— ؟ ایک کہہ رہا تھا "یہ اللہ کے
گھر کے مینار ہیں آپ ہی آپ بن گئے ہیں"
دوسرا اڑا ہوا تھا "انھیں کنوئیں کے اندر
تعمیر کر کے باہر نکالا گیا تھا پھر مسجد میں لگایا
گیا"
تیسرا بضد تھا "یہ بھی درختوں کی ایک قسم
ہیں اور زمین سے اپنے آپ اُگ آئے ہیں"
مُلّا نے تینوں کی بات سننے کے بعد بڑے
اطمینان سے فیصلہ دیا "تم تینوں غلط ہو، بات یہ
ہے کہ اگلے وقتوں میں لوگوں کے قد بہت بڑے
ہوتے تھے۔ وہ اتنے اونچے مینار آسانی سے بنا
لیتے تھے"
اس جواب سے تینوں بدّو مطمئن ہوگئے اور
انھوں نے تلواریں نیام میں رکھ لیں۔

مصیبت زدہ دوشیزہ

ایک دن کا ذکر ہے کہ مُلّا گھومتے پھرتے ایک
ایسے باغ کے پاس پہنچے جس کی چار دیواری بہت
اونچی تھی۔ مُلّا نے سوچا باغ کے اندر جا کر دیکھا
جائے۔ چنانچہ وہ اُچک کر دیوار پر چڑھ گئے اندر
نظر دوڑائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک نہایت
ہی حسین و جمیل دوشیزہ بیٹھی ہوئی ہے جس کے
قریب ایک نہایت بدشکل اور گھناؤنا آدمی بیٹھا

ہے۔
مُلا کو اس لڑکی پر بڑا ترس آیا کہ کیسی
حُور جیسی لڑکی ایک بھیانک دیو کے چنگل میں
پھنسی ہوئی ہے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد انھوں
نے ہمت کی اور دوڑ کر بدشکل آدمی پر حملہ
کردیا۔ پھر انھوں نے اس انسان نما جانور کے
اتنے گھونسے اور لاتیں ماریں کہ وہ درد سے کراہنے
لگا اب مُلا نے فاتحانہ شان سے اس لڑکی کی
طرف دیکھا اور اُمید کی کہ وہ ان کا شکریہ
ادا کرے گی لیکن لڑکی ممنون ہونے کے بجائے
مُلا سے بہت ناراض دکھائی دی۔

چند لمحوں بعد اور غلام آگئے جنھوں نے
مار مار کے مُلا کو ادھ مُوا کردیا۔ جب وہ قریب
قریب بے ہوش ہوگئے تو انھوں نے ان کو اُٹھا
کر دیوار کے دُوسری طرف پھینک دیا۔ عین
اسی وقت مُلا نے نیم بے ہوشی کی حالت میں
اس لڑکی کی آواز سُنی جو اپنے بدشکل عاشق کو
پکار پکار کے رو رہی تھی۔ یہ آواز سن کر مُلا
کے مُنھ سے بے اِختیار نکل گیا "عشق واقعی
اندھا ہوتا ہے" آخر مُلا لنگڑاتے ہُوئے گھر روانہ
ہوئے اور پھر کبھی ترس کے چکر میں نہ پڑے۔

عجیب شہر

ایک مرتبہ نصرالدین کا اتفاق شہر قونیہ جانے کا
ہُوا۔ شہر میں داخل ہوتے ہی انھیں حلوائی
کی دُکان نظر آئی جہاں گرم گرم جلیبیاں بن
رہی تھیں۔ جلیبیاں دیکھ کر اُن کے منھ میں پانی
بھر آیا۔ بھُوکے تو تھے ہی۔ دُکان پر پہنچ کر
جلدی جلدی جلیبیاں کھانے لگے۔ حلوائی نے جو
دیکھا تو تیزی سے ان کی طرف دوڑا۔ انھیں دھکا
دے کر پیچھے دھکیل دیا اور دو تین ہاتھ بھی رسید
کیے۔ وہ یقین نہ کرسکتا کہ ایسا اول جلول آدمی
جس کے بدن پر کپڑے بھی صحیح نہ ہوں وہ بھلا
پیسے کیا دے سکے گا۔ مُلا کو بڑا غصّہ آیا اور وہ
حلوائی سے کہنے لگے "یہ کیسا عجیب شہر ہے جہاں
آدمی کو کچھ کھاتے دیکھ کر لوگ مارنا شروع
کردیتے ہیں!"

روشن ضمیری

ایک مرتبہ نصرالدین کی غیر معلوم صلاحیتوں کی شہرت سن کر بادشاہ نے انھیں طلب کیا اور کہا "تم جانتے ہو میں بڑا ظالم اور سخت بادشاہ ہوں۔ میں نے تمھیں اس لیے بلایا ہے کہ تم اپنے صوفی اور روشن ضمیر ہونے کا ثبوت پیش کرو ورنہ تمھاری جان کی خیر نہیں۔"

نصرالدین نے جواب دیا "حضور اس میں بھی کچھ کلام ہے ــــ میں تو آسمان میں ایک سنہری چڑیا اور زمین کی تہہ میں بھوت پریت بھی دیکھ لیتا ہوں۔"

بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا۔ اس نے کہا " زمین ٹھوس ہوتی ہے۔ اس کے نیچے کوئی چیز کس طرح نظر آسکتی ہے اور آسمان اتنا بلند ہے۔ وہاں تک نگاہ کیوں کر پہنچ سکتی ہے؟"

"حضور آپ کے خوف میں سب کچھ ممکن ہے ــــ!" ملّا نے برملا جواب دیا۔

فن کے نمونے

بغداد کے خلیفہ کسی زمانے میں ہر سال شاہانہ ضیافت کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ جس میں ہزارہا ممتاز شہری شرکت کرتے تھے۔ ایک سال غلطی سے ملّا نصرالدین کا نام بھی مدعو کیے جانے والوں میں شامل ہوگیا۔ ملّا کھانے پینے کے شوقین تو تھے ہی۔ قبل از وقت ضیافت گاہ میں پہنچ گئے۔ اس دعوت کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ اس میں جو طرح طرح کے کھانے پکتے تھے ان کے لیے پچھلے سال کے مقابلے میں بہتر اور لذیذ ہونے کی شرط تھی کیوں کہ اسی سے خلیفہ کی شان اور عظمت کا اظہار ہوتا تھا۔ دعوت سے قبل رقص و موسیقی کا بھی اہتمام کیا جاتا چنانچہ اس مرتبہ بھی یہ سب کچھ تھا۔

ملّا کچھ دیر تک رقص و موسیقی سے محظوظ ہوئے لیکن جب کھانے میں زیادہ دیر ہوئی تو ان کا مارے بھوک کے برا حال ہونے لگا

مگر مجبور بیٹھے رہے۔ خدا خدا کر کے کھانے کا وقت آیا اور مہمان بڑے ہال میں بلائے گئے جہاں کھانا چُنا ہوا تھا۔

کھانے میں مختلف چیزوں کے علاوہ ہر پانچ آدمیوں کے بیچ میں ایک مور بھی تھا جو بھُنا ہوا تھا اور جس میں عمدہ عمدہ مسالے لگے تھے گوشت کے اوپر کھوپرے اور شکر کے مصنوعی پر اور چونچ بھی بنی ہوئی تھی۔ کوفی مٹھائی کی تھی جس پر پستے اور بادام چپکے ہوئے تھے۔ مہمان اس مور کی ندرت دیکھ کر چپکے چپکے تعریفیں کر رہے تھے کیوں کہ وہ اپنی جگہ فنکاری کا ایک نمونہ تھا۔ مُلّا کے منہ میں پانی بھرا آرہا تھا وہ منتظر تھے کہ لوگ کھانا شروع کریں تو وہ بھی ہاتھ بڑھائیں لیکن ان کی میز والے باتوں میں لگے ہوئے تھے۔ جب مُلّا کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا تو انھوں نے گردنوں کی پروا کیے بغیر بسم اللہ کر دی اور بولے۔

"بالکل بجا فرماتے ہیں آپ لوگ، واقعی یہ فن کے اعلیٰ نمونے ہیں لیکن یہ کھانے کی

چیزیں بھی تو ہیں! اور قبل اس کے کہ وہ ہمیں کھائیں ہم کو خود انہیں کھانا شروع کر دینا چاہیے۔"

بارش کی ترکیب

کسی آدمی نے نصرالدین سے کہا۔

"مُلّا! ہمارا بادشاہ بڑا رحم دل ہے۔ ایک مرتبہ ہم لوگوں نے گیہوں بویا تو فوراً بارش ہوگئی اور اس سال فصل نہ ہوسکی۔ بادشاہ کو ہمارے اوپر ترس آیا۔ اس نے ہمارے نقصان کا معاوضہ سرکاری خزانے سے ادا کروایا۔"

مُلّا نے اس آدمی کی بات غور سے سُننے کے بعد کہا۔ "مگر یار۔ یہ تو بتاؤ بارش کیوں کر کرائی جاسکتی ہے؟"

بدشگونی

ایک مرتبہ بادشاہ کچھ غصے میں تھا۔ اسی حالت میں وہ شکار کے لیے نکل کھڑا ہوا جب معمول کچھ لوگ بھی اس کے ساتھ تھے۔ راستے میں

آتے مُلّا نصرالدین نظر آگئے۔ وہ بہت برہم ہُوا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: "یہ منحوس کدھر سے سامنے آگیا ـــ بڑی بدشگونی ہوگئی اب تو شکار ملنا مشکل ہے.....؟"

یہ کہہ کر اُس نے حکم دیا کہ مُلّا کو کوڑے مار کر سامنے سے ہٹا دو۔ بادشاہ کے ساتھی نے اس کی تعمیل کی۔ مُلّا روتے پیٹتے گھر آئے اور شکاریوں کی جماعت آگے روانہ ہوگئی۔

اتّفاق سے اس دن بادشاہ کو بہت شکار ملا۔ اُس نے کئی جانور اور چڑیاں ماریں شام کو وہ لوٹا تو اُس نے مُلّا نصرالدین کو بُلوایا اور اس سے کہا۔

"نصرالدین! مجھے بہت افسوس ہے کہ میں نے تمھارے ساتھ بُرا سلوک کیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تمھارا سامنا بدشگونی کا باعث ہوگا لیکن حقیقت اس کے برعکس نکلی اور مجھے خوب شکار ملا، تم منحوس نہیں ہو!"

مُلّا نے جواب دیا: "عالیجاہ! آپ نے مجھے دیکھا تو بدشگونی کا باعث سمجھا لیکن آپ کو خوب شکار ملا اس کے برخلاف میں نے آپ کو دیکھا اور اس کو اچھا شگون سمجھا تو کوڑے کھانے کو ملے ـــ!"

آغا خان
امام رازی
ابن عربی
امام ابن تیمیہ
البیرونی
امیر تیمور
امام غزالی
اکبر اعظم
اکبر اعظم کے نورتن
اورنگ زیب عالمگیر
امیر خسرو
بلھے شاہ
بابا فرید گنج شکرؒ
جہانگیر
چاند بی بی
حضرت امام حسینؓ

حضرت عثمانؓ
حضرت عمر فاروقؓ
حضرت علاؤالدین صابر
حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ
حضرت عائشہؓ
حضرت عیسیٰؑ
حضرت موسیٰؑ
حضرت علیؓ
حضرت ابوبکر صدیقؓ
حیدر علی
خواجہ معین الدین چشتیؒ
خالد بن ولید
داتا گنج بخشؒ
رضیہ سلطانہ
زرتشت
سلیمان اعظم

سلطان محمد فاتح
سرسید احمد خان
سید احمد شہید
سید امیر علی
سلطان ٹیپو
سراج الدولہ
شاہ ولی اللہ
شیر شاہ سوری
شاہ عبداللطیف بھٹائی
شاہ جہاں
صدر ایوب
صلاح الدین ایوبی
طارق بن زیاد
ظہیر الدین بابر
عمر بن عبدالعزیز
علاؤالدین خلجی

غوث اعظمؒ
کمال اتاترک
قائد اعظم محمد علی جناح
مولانا احمد رضا خان
مجدد الف ثانیؒ
مولانا روم
محترمہ فاطمہ جناح
مہاتما بدھ
محمد بن قاسم
محمود غزنوی
نور جہاں
وقار الملک
وارث شاہ
ہارون رشید
یاجوج ماجوج

لاہور ○ راولپنڈی ○ منگلا
پشاور ○ حیدرآباد ○ کراچی

GLOBAL ZEBRA.blogspot.com
spot.com
مُلّا نصرُالدین کے لطیفے
2

سید سعید احمد

لاہور ، راولپنڈی ، پشاور ، حیدرآباد ، کراچی

عمر کی بربادی

مُلّا نصرالدین کے پاس ایک چھوٹی سی کشتی تھی وہ کبھی کبھی اس پر دریا کی سیر کو نکلتے تھے۔ ایک دن وہ اپنی کشتی پر سوار تھے، کہ اتفاق سے اُدھر کسی مولوی صاحب کا گزر ہوا۔ مولوی صاحب نصرالدین کے پاس پہنچے اور کہا۔ "ذرا مجھے دریا پار کرادو۔"

مُلّا حسبِ عادت تیار ہوگئے اور مولوی صاحب کو جھٹ کشتی میں بٹھا آگے بڑھنے لگے۔ دریا کا پاٹ کافی بڑا تھا۔ مُلّا چھوٹی ندیوں میں کشتی چلانے کے عادی تھے، بڑے دریا میں پانی کے تیز بہاؤ میں کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ اب مولوی صاحب بڑے گھبرائے اور مُلّا سے بولے۔

"اماں! کہیں ڈبو نہ دینا۔ اگر ڈوبنے کا اندیشہ ہو تو واپس لے چلو مجھے نہیں جانا ہے۔"

مُلّا نے جواب دیا "ابھی تم میرے سے کچھ نہ

پہلی بار ــــــــــ ۱۹۷۱
تعداد ــــــــــ ۳۰۰۰
قیمت ــــــــــ ۲۵ پے
مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام عبدالحمید خاں پرنٹر پبلشر

بولیے ——!"
مولوی صاحب نے جو مُلا کی یہ بھی زبان سنی تو کہا۔
"نصرالدین! کیا تم نے کبھی قواعد نہیں پڑھی؟"
مُلا نے جواب دیا۔"نہیں بھائی! قواعد پڑھنے کا موقع ہی نہیں ملا ٹوٹی پھوٹی زبان میں دل کا حال کہہ لیتا ہوں"
مولوی صاحب پھر بولے۔"تب تو تم نے اپنی آدھی عمر برباد کر ڈالی"
مُلا نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے اپنی کشتی کو آگے بڑھانے میں لگے رہے۔ چند ہی لمحوں بعد پانی کا تیز بہاؤ آیا جس سے کشتی بالکل بے قابو ہوگئی اس میں پانی بھرنے لگا اور مولوی صاحب کی حالت غیر ہونے لگی۔

مُلا نے جھک کر پوچھا۔
"اب تو کشتی ڈوب رہی ہے۔ کہو مولوی صاحب تیرنا بھی آتا ہے ——؟"
مولوی صاحب نے کہا"نہیں وہ تو میں نے سیکھا ہی نہیں؟
یہ جواب سنتے ہی مُلا جی بولے۔
"مولوی صاحب! پھر تو آپ نے اپنی تمام عمر برباد کردی کیونکہ اب تو ہم دونوں غرق ہونے والے ہیں!"

پاگل داس

ایک مرتبہ مُلا نصرالدین کی بحث کسی فلسفی سے ہوگئی اور کافی طول پکڑ گئی۔ مُلا نے جب یہ دیکھا کہ بحث کسی صورت ختم ہونے ہی میں نہیں آتی اور انہیں گھر جانے کی جلدی ہے تو انھوں نے فلسفی کو اپنے گھر پر مدعو کیا تاکہ بحث جاری رہ سکے۔ دونوں نے وقت طے کر لیا فلسفی مقررہ وقت پر مُلا کے مکان پر جا پہنچا اور دستک دی۔ مُلا ٹھہرے ایک بھلکڑ انھیں یاد ہی نہ رہا کہ کسی کو وقت دے رکھا ہے۔ وہ فلسفی کے آنے سے کچھ دیر پہلے کہیں چلے گئے تھے۔ جب فلسفی نے مُلا کو نہ پایا تو اس نے کوئلے کے ایک ٹکڑے سے مکان کے صدر دروازے پر لکھ دیا۔"پاگل داس!"

جب مُلا باہر سے واپس آئے اور دروازے
پر یہ لکھا دیکھا تو فوراً فلسفی کا خیال آیا وہ اسی
وقت اس شخص کے مکان کی طرف چل پڑے۔ مکان
پر پہنچ کر اس سے کہا۔
"معاف کیجیے گا میں بالکل بھول گیا تھا کہ
آپ کو وقت دے رکھا ہے۔ مجھے تو اس
وقت یاد آیا جب آپ کا نام دروازے پر لکھا
دیکھا!"

صوفی نصرالدین

صوفیوں کے نزدیک سب سے بڑی بے وقوفی
یہ ہے کہ آدمی کسی چیز کا علم سیکھنے کی خواہش
کرے لیکن خود ذہنی طور پر تیار نہ ہو یعنی اس
کا دل و دماغ علم سے دور بھاگتا ہو۔ عام طور
لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ جس کے پاس دو
آنکھیں، ایک ناک اور ایک زبان ہے، وہ عالم
فاضل ہو سکتا ہے۔ حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔
صحیح علم حاصل کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ صوفی
اور بزرگ جب کسی کو علم سکھاتے ہیں تو
شاگرد سے کہتے ہیں کہ علم کی ظاہری صورت بھی
سیکھو اور اس کے پیچھے جو حقیقی علم چھپا ہوا
ہے۔ اس کو بھی جاننے کی کوشش کرو۔
انہی خیالات کی تعلیم مُلا نصرالدین بھی دیا کرتے
تھے چنانچہ ایک دن ایک طالب علم مُلا کے پاس
آیا اور کہا۔
"مجھے بتایے کہ 'سچائی' کسے کہتے ہیں؟"
مُلا نے جواب دیا "میں اس شرط پر بتاؤں
گا کہ تم وعدہ کرو، ہمارے بتائے ہوئے طریقے
کے مُطابق خوب دل لگا کر سیکھو گے اور ذرا
چون و چرا نہیں کرو گے۔"
طالب علم نے وعدہ کر لیا۔
تب مُلا نے طالب علم کو ساتھ لیا اور ایک
گھڑا لیکر کنوئیں کی طرف چل پڑے۔ گھڑے کے
پیندے میں سوراخ تھا۔ کنوئیں کے پاس پہنچ کر
مُلا نے گھڑا نیچے رکھا اور بالٹی سے پانی بھرنا
شروع کر دیا۔ وہ بالٹی سے پانی بھرتے جاتے
تھے اور گھڑے میں ڈالتے جاتے تھے لیکن
پانی ہر بار بہہ جاتا۔ اور گھڑا بھرنے کا نام نہ لیتا۔

blogspot.com

طالب علم یہ تماشا گھڑا دیکھ رہا تھا۔ جب کافی
دیر تک مُلاّ نے توجہ نہ کی تو طالب علم سے نہ
رہا گیا، وہ بول پڑا۔
"مُلاّ جی! پانی تو سب بہا جا رہا ہے۔ گھڑے کا
پیندا ٹوٹا ہوا ہے"
یہ الفاظ سنتے ہی مُلاّ ایک دم غصے میں
آگئے اور اس کو ڈانٹتے ہوئے بولے۔
"میں نے تم کو پہلے ہی منع کیا تھا کہ
ذرا بھی چوں چرا نہیں کرو گے، خاموشی سے علم
حاصل کرو گے لیکن تم نہیں مانے۔ اس کا
مطلب صاف ہے کہ تم ابھی دماغی طور پر
علم حاصل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوئے"
پھر مُلاّ نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا:
"دیکھو! میں گھڑا بھرنے کی کوشش کر رہا ہوں
جب گھڑا بھر جائے گا تو اس کے منہ تک
پانی آجائے گا چنانچہ میری نظریں اس کے
منہ پر لگی ہیں، پیندے سے مجھ کو کیا غرض؟
یہی تو بات ہے کہ صوفی ہر کس و ناکس کو
تعلیم نہیں دیتے اور جس کو تعلیم دیتے ہیں اس
کو پہلے آداب سکھاتے ہیں۔ صوفیوں کا مقولہ ہے
ہر جاہل مغرور ہوتا ہے اور ہر مغرور جاہل، جو شخص
یہ کہتا ہے کہ مجھے تعلیم حاصل کرنا آتا ہے اس
کے طریقے سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں وہ دراصل
گھمنڈی اور جاہل ہے"
اس طرح مُلاّ نے اپنے طالب علم کو ایک
طرف انکسار کی تعلیم دی، دوسری طرف صبر و سکون
کی۔ طالب علم بے چارہ سیدھا سادہ تھا اس نے
مُلاّ کی تمام حماقتوں کو عقلمندی تصور کیا اور ہاتھ
جوڑ کر درخواست کی۔
"مُلاّ۔ میں اب ذہنی طور پہ تیار ہو چکا ہوں۔
مجھے تعلیم دیجیے—!"

تیر کس نے چلایا

ایک مرتبہ مُلاّ نصرالدین کے گاؤں میں زور
دار میلا لگا۔ خوب کھیلے تماشے اور سیر تفریح
کا انتظام کیا گیا۔ مُلاّ کے شاگردوں کا بھی
دل چاہا کہ میلا دیکھنے جائیں چنانچہ ان میں سے
ایک شاگرد جو مُلاّ کے بہت قریب تھا مُلاّ کی

خدمت میں حاضر ہوا اور میلے میں جانے کی اجازت چاہی۔ ملا بخوشی راضی ہو گئے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں خود بھی تم لوگوں کے ہمراہ چلوں گا۔ کیوں کہ وہاں اچھی طرح تمھاری عملی تربیت کر سکوں گا۔

غرض ملا اپنے شاگردوں سمیت میلے کی طرف چل دیے۔ وہاں پہنچ کر انھیں سب سے پہلے ایک ایسی دکان ملی جہاں تیر کا نشانہ لگانے پر انعام ملتا تھا۔ دکان دار نے اپنی دکان پر ایک بیل کی تصویر لگا رکھی تھی اور کچھ فاصلے پر ایک تیر کمان رکھوا دیا تھا۔ شرط یہ تھی کہ جو شخص بیل کی آنکھ پر نشانہ لگائے گا اس کو قیمتی انعام دیا جائے گا۔

ملا جب اپنے شاگردوں کو لے کر دکان میں داخل ہوئے تو کچھ دوسرے لوگ بھی تماشا دیکھنے کی غرض سے وہاں اکٹھا ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں یہ بات سارے میلے میں پھیل گئی کہ ملا نصرالدین بیل کی آنکھ پر نشانہ لگا رہے ہیں۔ چنانچہ ہر طرف سے لوگ کھنچ کھنچ کر آنے لگے۔

ملا نے نہایت شان کے ساتھ تیر کمان اٹھایا اور اپنے شاگردوں سے بولے۔

"غور سے دیکھو میں کس طرح تیر چلاتا ہوں ــــ"

یہ کہہ کر انھوں نے کافی دیر تک سیدھ ملائی پھر تیر چھوڑ دیا۔ تیر نشانہ سے بہت دور جا کر گرا۔ مجمع میں ایک زوردار قہقہہ بلند ہوا۔ ملا کے شاگرد بے چارے پریشان ہو گئے۔ ملا نے جو یہ صورت دیکھی تو مڑ کر کہا۔

"خاموش! خاموش! اس میں ہنسی کی بات نہیں۔ میں یہ بتا رہا تھا کہ ایک سپاہی غلط نشانہ بھی لگا سکتا ہے۔ اس کی ذرا سی غلطی سے قومیں لڑائیاں ہار جاتی ہیں۔ اس لیے ایسی غلطی نہیں کرنی چاہیے۔ ابھی جب میں نے تیر چلایا تو یہ سوچ لیا تھا کہ میں ایک فوجی سپاہی ہوں اور دشمن پر نشانہ لگا رہا ہوں سو نشانہ خطا ہو گیا۔"

اب ملا نے دوسرا تیر اٹھایا اور پوری احتیاط کے ساتھ اُسے بھی چھوڑا۔ وہ بھی نشانے پر

نہ لگا البتہ اب کے اتنی دور نہ گیا جتنا کہ پہلی بار گیا تھا۔ لوگ بالکل چپ سادھے کھڑے رہے اور کہیں سے بھی کسی کے ہنسنے یا بات کرنے کی آواز نہ آئی۔ مُلّا نصرالدین نے پھر صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگوں نے دیکھا! جب آدمی ایک دفعہ کسی کام میں ناکام ہوجاتے تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور وہ دوسری بار بھی ناکام ہوتا ہے۔"

مُلّا کی باتیں سُن کر بھی لوگ مُسکرا رہے تھے۔ دُکان دار بھی محظوظ ہو رہا تھا۔

اتنے میں مُلّا نے تیسرا تیر اٹھایا اور بڑی لاپروائی کے ساتھ کمان کھینچ کر تیر چھوڑ دیا۔ اتفاق کی بات، اب کی مرتبہ تیر ٹھیک نشانے پہ لگا۔ مُلّا نے فخر سے اپنا سر اونچا کیا اور کسی سے کوئی بات کیے بغیر ایک نظر انعاموں پر دوڑائی۔ جو انعام سب سے زیادہ پسند آیا وہ دکان دار سے پوچھے بغیر اٹھا لیا اور دکان سے باہر نکل آئے۔ اس پر بڑا شور و غوغا بلند ہوا

مُلّا نے جو ہنگامہ دیکھا تو مڑے اور سب کو ہاتھ کے اِشارے سے خاموش رہنے کو کہا۔ جب سب چُپ ہوگئے تو مُلّا نے پوچھا۔

"جناب ایک آدمی باہر آئے اور مجھے بتلائے کہ تم لوگ کیا کہنا چاہتے ہو۔؟"

تھوڑی دیر تک تو کسی نے کوئی جواب نہ دیا مکمل سناٹا چھایا رہا۔ آخر کو ایک دیہاتی باہر آیا، اس نے مُلّا سے کہا۔

"در اصل ہم لوگ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ کہ آخری بار تیر کیا واقعی آپ نے چلایا تھا؟"

"اوہ! اتنی سی بات!! کیا آپ لوگ دیکھ نہیں رہے تھے کہ میں نے تیر چلایا تھا۔ بھئی کمال کر دیا آپ لوگوں نے ——!"

جادُو کا تھیلا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مُلّا نصرالدین بازار سے گزر رہے تھے۔ ان کے پاس بہت سے روپے تھے جنھیں وہ ہوا میں اچھالتے ہوئے چل رہے تھے۔ اتفاق سے راستے میں ایک مداری بیٹھا ہوا تھا

مداری نے جو اتنے بہت سے روپے مُلّا کے ہاتھ میں دیکھے تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے سوچا کہ کسی نہ کسی طرح یہ روپے ہتھیا لیے جائیں چنانچہ یہ خیال آتے ہی اس نے مُلّا کو آواز دی۔ مُلّا کی بدقسمتی کہ وہ اس کے پاس پہنچ گئے اور بڑی شان کے ساتھ بولے۔

"کیا بات ہے استاد ——؟"

مداری نے جو مُلّا کو اچھے موڈ میں دیکھا تو بولا۔

"تم تو بڑے سمجھدار آدمی معلوم ہوتے ہو؟"

مُلّا نے فخریہ کہا: "اس میں کیا شک ہے!"

مداری بولا۔

"مولینا صاحب! میرے پاس ایک جادو کا تھیلا ہے اگر پسند فرمائیں تو اسے خرید لیں۔"

مُلّا نے جواب دیا۔

"بھئی اپنے، کیسے خرید لوں مجھے کچھ اس کے فائدے نقصانات تو سمجھاؤ تب میں سوچوں گا کہ اسے لینا چاہیے یا نہیں؟"

مداری نے کہا "اچھا تو لیجیے، دیکھیے۔"

یہ کہہ کر مداری نے اپنا ہاتھ جادو کے تھیلے میں ڈالا۔ اس میں سے ایک خرگوش باہر نکالا۔ اس کے بعد ہاتھ ڈالا تو ایک گیند نکالی۔ اسی طرح تیسری بار ہاتھ ڈال کر ایک پودا نکالا جو باقاعدہ گملے میں لگا ہوا تھا۔

مُلّا نے جو یہ تماشا دیکھا تو بڑے خوش ہوئے۔ ان کے دل میں یہ تمنا کروٹیں لینے لگی کہ یہ تھیلا ضرور خریدا جائے اور اپنے شہر والوں کو تماشا دکھایا جا سکے۔

مداری نے مُلّا پر اور رعب ڈالنے کے لیے کہا۔

"مولینا صاحب! ایک بات کا خیال رکھنا۔ یہ تھیلے بڑے تنک مزاج ہیں، انھیں پریشان نہ کرنا ورنہ ان کا جادو ختم ہو جائے گا۔ اور ہاں دوسری بات یہ ہے۔ کہ کسی دوسرے آدمی سے اس جادوئی تھیلے کا حال مت کہنا۔"

مُلّا نے جواب دیا۔

"اجی توبہ کرو! میں کوئی بے وقوف ہوں، کسی کو ہوا بھی نہ لگنے دوں گا۔"

یہ کہہ کر انھوں نے تھیلے کی قیمت مداری کو
دیدی اور تھیلا اپنے خچر کی پیٹھ پر لاد کے اپنی
راہ لی۔

راستے میں انھیں بڑی شدت کی پیاس لگی۔
سوچا کیوں نہ جادو کے تھیلے سے پانی مانگا جائے۔
خوشی خوشی خچر سے اترے۔ تھیلا اٹھایا اور بولے
"اے جادو کے تھیلے! ایک گلاس ٹھنڈا پانی دو"
یہ کہہ کر تھیلے میں ہاتھ ڈالا لیکن وہاں نہ
پانی نہ دانہ۔ کچھ دیر تک سوچتے رہے کہ پانی
کیوں نہ نکلا؟ پھر یہ کہہ کر چپ ہو رہے کہ
جادوگر نے تو خرگوش، گیند اور پودا نکالا تھا۔
میں بلاوجہ پانی مانگ رہا ہوں۔ تھوڑی دیر کے
بعد پھر سوچا کہ چلو تجربے کے طور پر ہم بھی
خرگوش، نکالیں۔ چنانچہ اب کے خرگوش طلب
کیا اور تھیلے میں ہاتھ ڈالا، وہاں خرگوش ہوتا تو
ہاتھ آتا۔ اب تو وہ بہت پریشان ہوئے لیکن اس
کے باوجود انھوں نے نہ تو جادو کے تھیلے پر
شک کیا اور نہ مداری پر۔ وہ سوچنے لگے کہ
شاید میں نے تھیلے کو پریشان کر ڈالا ہے۔ مداری

نے منع کیا تھا کہ جادو کا تھیلا بڑا تنک مزاج
ہے اسے تنگ نہ کرنا۔ میں نے ناحق اسے
پریشان کیا اور اس پر تجربے کرتا رہا۔ خیر چلو
اب سہی۔ اب ذرا بھی تنگ نہ کروں گا۔
یہ تہیہ کر کے انھوں نے جادو کا تھیلا خچر
پر ڈالا اور شہر کی طرف چل دیے۔ چاہتے
تھے کہ کسی طرح جلد سے جلد اپنے شہر
پہنچ جاؤں اور شہر والوں کو تماشا دکھاؤں۔
تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ خچر بدکنے لگا۔
وہ تیز تیز چلنے کی وجہ سے تھک چکا تھا۔
ملا یہ سمجھے کہ غالباً ایک تھیلا بڑھ جانے کی وجہ
سے خچر پریشان ہو رہا ہے۔ وہ تو صرف ایک تھیلے
اور میرے وزن کا عادی ہے آج ایک تھیلا
زیادہ ہو گیا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی انھوں
نے خچر کو ایک قریبی گاؤں کی طرف موڑ دیا
وہاں پہنچ کر ایک اور خچر خرید ڈالا۔
اب انھوں نے جادو کا تھیلا اس نئے خچر
پر ڈال دیا اور اس کو اپنے خچر کے ساتھ ساتھ
لے کر چلے۔

راستے میں لوگوں نے دیکھا کہ مُلّا ایک خچر پر سوار ہیں، دوسرا خچر ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ تو انھیں بڑا اچنبھا ہوا۔ چنانچہ ایک راہ گیر نے آگے بڑھ کر پوچھ ہی لیا۔

"مُلّا جی! یہ دو خچر کس لیے لے جا رہے ہو؟"

مُلّا نے جواب دیا۔

"آپ لوگ تو نرے احمق ہیں۔ دو خچر کدھر ہیں میرے پاس تو ایک ہی خچر ہے جس پر میں خود سوار ہوں دوسرا جادو کا تھیلا ہے جسے خچر پر رکھ کر لیے جا رہا ہوں ـــــ!"

روئی کپڑا

ایک مرتبہ مُلّا کو سفر کے دوران حجامت بنوانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مُلّا سر منڈوانے کے عادی تھے لہٰذا وہ قریب کے گاؤں میں ایک حجام کے پاس پہنچے اور اس سے سر مونڈنے کے لیے کہا۔

حجام نے انھیں کرسی پر بٹھا کر مشین سے سر صاف کرنا شروع کر دیا۔ مُلّا کی بدقسمتی کہ اس کی مشین کچھ خراب تھی۔ جب حجام مشین چلاتا مُلّا کے سر کی کچھ کھال کھنچ جاتی، خون نکل آتا اور مُلّا کی چیخ نکل جاتی لیکن حجام انھیں اطمینان دلا دیتا کہ بس اب تکلیف نہ ہوگی پھر اپنے کام میں لگ جاتا۔ اور جہاں خون نکل آتا وہاں تھوڑی سی روئی چپکا دیتا تاکہ خون بہنے نہ پائے مُلّا کو برابر تکلیف ہوتی رہی اور حجام روئی چپکاتا رہا۔

جب آدھا سر صاف ہو گیا اور اس پر جگہ جگہ روئی چپک گئی تو مُلّا سے ضبط نہ ہوا وہ کھڑے ہو کر حجام سے بولے "بس خلیفہ جی اب تکلیف نہ کرو۔ اپنے پیسے لو میں چلا۔"

نائی نے کہا۔

"مُلّا جی کہیں کوئی آدھے سر کی بھی حجامت کرواتا ہے"

مُلّا نے جواب دیا۔

"کیسی حجامت! تم نے تو میرے آدھے سر میں روئی بو دی ہے۔ جانتے ہو کہ انسان کے لیے روئی اور کپڑا دونوں ہی ضروری ہیں۔ اب میں خود آدھے سر میں گیہوں کی کاشت کروں گا۔"

ڈر بھی کیا چیز ہے

ایک مرتبہ مُلّا حسبِ عادت کہیں سفر پر جا رہے تھے۔ چاندنی پھیلی ہوئی تھی لیکن راستے میں نہ کوئی آدم تھا نہ آدم زاد، دور دور تک جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ مُلّا دم سادھے آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ اچانک انھیں اپنے قریب سے ہی کسی کے خراٹے لینے کی آواز سنائی دی۔ مُلّا کے بدن میں ایک جھرجھری دوڑ گئی۔ انھوں نے کانپتے ہوئے چاروں طرف نگاہ ڈالی، کچھ نظر نہ آیا۔ وہ بھاگنے ہی کو تھے کہ انھیں سڑک کے کنارے ایک غار دکھائی دیا۔ غور سے دیکھا تو اس میں ایک درویش نظر آیا۔ مُلّا ڈرتے ڈرتے درویش کے پاس گئے اور جی کڑا کر کے پوچھا، "کون ہو تم؟"

درویش نے جواب دیا۔

"بھائی ہم فقیر آدمی ہیں۔ یہاں بیٹھ کر خدا کو یاد کرتے ہیں۔ عبادت و ریاضت کے ذریعہ ہم کو خدا کا دیدار حاصل ہوتا ہے۔ تنہائی میں کوئی چیز ہمارے دھیان کو بہکا

نہیں سکتی۔"

مُلّا بولے، "صوفی صاحب! آپ کے خراٹوں نے تو مارے ڈر کے میرا بُرا حال کر دیا تھا۔ میں اب تک تھر تھر کانپ رہا ہوں۔ اب میری تو ہمت نہیں ہے کہ آگے جاؤں۔ آپ میری خاطر ذرا سی زحمت کریں اور مجھے بھی اپنے قریب بیٹھ جانے دیں۔"

درویش راضی ہو گیا اور اس نے اپنے کمبل کا کونا مُلّا کو دیتے ہوئے کہا۔

"لو اس کو اوڑھ کر چپکے لیٹ جاؤ۔ بات چیت ذرا نہ کرنا۔ میں خدا سے لو لگائے بیٹھا ہوں، تمھاری باتوں سے میرا دھیان بٹے گا۔"

مُلّا کمبل میں دبک کر سو گئے۔ مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد ان کی آنکھ کھل گئی۔ انھیں پیاس لگ رہی تھی۔

وہ درویش سے مخاطب ہوئے۔

"صوفی صاحب! مجھے پیاس لگی ہے۔ آپ کے پاس پانی تو نہ ہوگا؟"

درویش نے جواب دیا۔

"پانی تو میرے پاس نہیں ہے اللہ اگر بہت زیادہ پیاس ہو تو سامنے چلے جاؤ۔ وہاں ایک دریا بہہ رہا ہے اس سے پانی پی کر واپس آجاؤ۔"

ملّا بولے: "آپ بھی کمال کر رہے ہیں۔ میں ٹھہرا ایک ڈرپوک۔ مجھ میں بھلا اتنی ہمت کہاں کہ اس ڈراؤنی رات میں اتنی دور پانی پینے کے لیے جاؤں۔"

درویش نے جب ملّا کو واقعی ڈرتا ہوا دیکھا تو خود ہی پیالہ لے کر پانی لینے چلا گیا۔ جب وہ جانے لگا تو ملّا پھر بولے۔

"ارے بھئی آپ کہاں چل دیے میں اکیلا ڈروں گا۔ مجھے چھوڑ کر نہ جائیے۔"

درویش نے ملّا کی طرف چاقو بڑھاتے ہوئے کہا۔

"لو یہ چاقو کھول کر اپنے پاس رکھ لو۔ اس سے تم اپنا بچاؤ کر سکتے ہو اب ڈر نہ لگے گا۔"

ملّا نے چاقو لے لیا اور درویش پانی لینے چلاگیا۔

"جب درویش نظروں سے اوجھل ہوگیا تو ملّا کے دل میں طرح طرح کے وہم آنے لگے۔ مارے ڈر کے ان کی حالت غیر ہورہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں منصوبے بنانے لگے کہ اگر کوئی چور اچکا آیا تو اس پر چاقو سے حملہ کردوں گا وہ بچ کر نہ جاسکے گا۔ کبھی یہ سوچا کہ اگر بدمعاش نے چاقو چھین لیا تو کیا ہوگا۔ غرض اسی ادھیڑبن میں بیٹھے تھے کہ درویش پانی لے کر واپس آگیا۔ ڈر کے مارے ملّا کے اوسان خطا تھے۔ وہ بالکل بھول گئے کہ درویش کو پانی لینے بھیجا تھا۔ درویش کو دیکھ کر بڑی زور سے گرجے۔

"خبردار آگے نہ بڑھنا ورنہ یہی چاقو پیٹ میں اتار دوں گا۔"

درویش گھبرا گیا اور بولا۔

"بھائی مسافر! میں تو درویش ہوں اور تمھارے لیے پانی لینے گیا تھا۔"

ملّا بولے۔

"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تم کون ہو اور کیا ہو؟"

مجھے اس سے بھی واسطہ نہیں کہ تم کہاں گئے
تھے؟ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ تم کوئی چور اچکے ہو
اور درویش کا بھیس بدل کر آگئے ہو۔!"
درویش بے چارہ بڑا پریشان ہوا۔ اس نے
مُلّا کو لاکھ سمجھایا لیکن اس کی ایک سمجھ میں
نہ آیا۔ آخر مُلّا بولے۔
"تمھارا سر بھی گھٹا ہوا ہے اور بھویں بھی
صاف ہیں کہیں صوفی ایسے بھی ہوتے ہیں؟"
درویش بولا۔
"تم یقین مانو، میں وہی درویش ہوں جس
نے ابھی تمھیں اپنے کمبل میں سلایا تھا اور
جب تم کو پیاس لگی تو تمھارے لیے پانی لینے
چلا گیا۔"
مُلّا نے جواب دیا۔
"جاؤ جاؤ باتیں نہ بناؤ۔ بڑے آئے ہمارے
ہمدرد کہیں کے۔ جاتے ہو یا کروں ابھی تمھارا
خاتمہ ـــــ!"
درویش نے لجاجت سے کہا۔
"خدا کے واسطے مسافر ایسا نہ کرو۔ ایک

تو ہمارے گڑھے پر قبضہ جما رکھا ہے دوسرے
مارنے کی دھمکی دے رہے ہو"
مُلّا نے جواب دیا۔
"یہ تمھاری قسمت ہے۔ اب خیریت اسی
میں ہے کہ جاکر دوسرا غار تلاش کرو اور مجھے
معاف کرو۔"
درویش بولا۔
"خیر وہ تو میں چلا جاؤں گا۔ لیکن میری سمجھ
میں یہ نہیں آرہا ہے کہ آخر تم اتنی جلدی بدل
کیوں گئے؟"
نصرالدین نے جواب دیا۔
"یہ تم نہیں سمجھ سکتے۔ بات در اصل یہ ہے
کہ ڈر بڑی خراب چیز ہے۔ ڈر آدمی کو اندھا
کر دیتا ہے۔ جب انسان ڈرتا ہے تو پھر اُسے نہ
تو بھوک پیاس ستاتی ہے۔ اور نہ عقل ساتھ دیتی
ہے۔ تم کو تو ڈر لگتا نہیں ہے اسی لیے تمھیں ڈر
کا اندازہ نہیں ہے ـــ اب تم جاؤ اور مجھے
سونے دو!"

مقامِ شُکر

ایک دن مُلّا نصرالدین اپنے دوستوں میں بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے۔ اچانک انھوں نے سنجیدگی اختیار کر لی۔ اور چپ ہوگئے دوست ان کا منھ تکنے لگے۔ کچھ دیر بعد وہ پھر یوں مخاطب ہوئے۔

"ہم لوگوں کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے"

دوستوں نے یک زبان ہوکر پوچھا۔

"آخر کیوں؟ اس وقت یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟"

مُلّا نے جواب دیا۔

"میں یہ سوچ رہا تھا کہ اللہ نے بڑا احسان کیا کہ اونٹ کو پر عطا نہیں کیے ورنہ ہمارے مکان کی چھتوں پر بیٹھ جاتا اور وہ ٹوٹ کے نیچے آگرتیں یہ مقامِ شکر ہے یا نہیں؟"

ڈر کی خوبیاں

ایک مرتبہ بادشاہ نے مُلّا نصرالدین کو بلوا بھیجا بادشاہ بڑا ظالم اور سخت گیر تھا۔ رعایا اس کے نام سے کانپتی تھی۔

جب مُلّا نصرالدین اس کے دربار میں حاضر ہوئے تو اس نے شاہانہ رعب کے ساتھ اُن سے پوچھا۔

"مُلّا سچ سچ بتاؤ تمھیں اتنا علم کیسے حاصل ہوا۔ یقیناً تم کوئی صوفی یا بزرگ ہو۔ عام آدمی سے کوئی بھی اتنی خوبیوں کی اُمید نہیں کر سکتا"

مُلّا نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

"عالم پناہ! یہ تو مجھے خود بھی نہیں معلوم کہ میں کیا ہوں البتہ اتنا جانتا ہوں کہ مجھے آسمانوں میں سفید براق نظر آتے ہیں تو زمین کی تہہ میں کالا شیطان دکھائی دیتا ہے"

بادشاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ کیسے ممکن ہے کہ تم جیسا معمولی آدمی آسمانوں کی بھی سیر کرے اور زمین جیسی ٹھوس چیز کے اندر کی چیزیں بھی دیکھ لے؟"

مُلّا نے جواب دیا۔

"یہ بھی کوئی مشکل کام ہے! بادشاہ سلامت! اتنی خوبیاں صرف ایک چیز سے حاصل ہوجاتی ہیں"

بادشاہ نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ کون سی چیز ہے مُلّا!"
مُلّا نے اطمینان سے جواب دیا۔
"ڈر!"

تحفہ

ایک دفعہ مُلّا نے اپنے گھر میں گاجریں بوئیں
جب گاجریں خوب بڑی ہوگئیں تو انھوں نے
ایک مالی سے مشورہ کرکے انھیں اکھیڑ لیا۔ اور
ایک جگہ جمع کیا۔ گاجریں اچھی خاصی تعداد میں تھیں
اور ذائقہ میں بھی خوب میٹھی تھیں۔ مُلّا نے سوچا
کیوں نہ انھیں بادشاہ کی خدمت میں پیش کردیں
تاکہ اس تک رسائی بھی ہوجائے اور کچھ انعام
اکرام بھی مل جائے؟"
یہ سوچ کر مُلّا نے ایک گٹھڑی میں سب
گاجروں کو باندھا اور بادشاہ کے محل کی طرف
چل پڑے۔
راستے میں انھیں ایک دوست مل گیا۔ دوست
نے پوچھا کہ کدھر کا ارادہ ہے۔ مُلّا نے سب
صحیح صحیح بتادیا۔ اس پر دوست نے مُلّا کا بڑا

مذاق اڑایا اور کہا
"تم بھی بڑے بھولے ہو۔ کہیں بادشاہ کے پاس
گاجریں بھی لے جائی جاتی ہیں۔ کوئی چھوٹا اور
نازک پھل خرید کر بادشاہ کو دو تو وہ لے کر خوش
بھی ہوگا۔ گاجریں تو وہ منھ پر مار دے گا!"
بات مُلّا کی سمجھ میں آگئی۔ انھوں نے فوراً
بازار سے انگوروں کے کئی گچھے اور انجیر خریدے
اور گاجریں گھر میں چھوڑ کر بادشاہ کے پاس جا پہنچے۔ بادشاہ
بڑے اچھے موڈ میں تھا۔ اس نے مُلّا کا تحفہ قبول کرلیا
اور مُلّا کو انعام اکرام دے کر رخصت کیا۔
مُلّا بڑے خوش ہوئے اور بادشاہ کے اخلاق
کی بھی خوب تعریف کی۔
دوسرے ہفتے انھوں نے پھر تحفہ لے جانے کا
قصد کیا۔ دل میں انعام بسا ہوا تھا۔ چنانچہ اس
بار انھوں نے خوب بڑے بڑے مالٹے خریدے
اور بادشاہ کے پاس لے گئے۔ آج بادشاہ کا
موڈ بڑا خراب تھا۔ جوں ہی مُلّا نے مالٹے بادشاہ
کی خدمت میں پیش کیے اس نے انھیں فوراً ہی
مُلّا کے منھ پر دے مارا۔ مُلّا بے چارے کو بڑی چوٹ آئی۔ اور وہ

فرش پر گر پڑے۔ اب ان کی آنکھیں کھلیں۔
انھوں نے دل ہی دل میں کہا۔
"اب میں سمجھا! لوگ کیوں چھوٹی اور نازک چیزیں پسند کرتے ہیں اگر چھوٹی چیزیں منھ پر ماری جائیں تو چوٹ نہیں لگتی، بڑی چیزیں ماری جائیں تو چوٹ آجاتی ہے۔ اگر کہیں خدا نخواستہ میں گاجریں لے آتا تو آج ختم ہی ہوجاتا۔ وہ تو اللہ نے بڑی خیر کی جو راستے میں دوست مل گیا جس نے گاجروں کی جگہ انگور اور انجیر لے جانے کا مشورہ دیا۔

مُلّا شہ سوار

ایک دن کا ذکر ہے مُلّا نصرالدین اپنے دوستوں میں بیٹھے ہوئے اپنے کارنامے سنا رہے تھے لوگ بڑے شوق سے سن رہے تھے۔ دوران گفتگو میں انھوں نے ایک بہت ہی طاقتور اور اچھی نسل کے گھوڑے کا ذکر کیا اور بتایا۔
"میں ایک روز بادشاہ کے دربار میں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی اس گھوڑے کو لے کر دربار میں حاضر ہوا۔ گھوڑا کافی اونچا تھا اور شرارتی معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے مالک نے درباریوں سے کہا ہے کوئی جو اس گھوڑے پر سواری کرے؟ درباریوں میں سے کسی کی ہمت نہ پڑی جو جواب دیتا۔ بالآخر میں بول پڑا کہ ہاں ہاں میں سوار ہوں گا۔ یہ کہہ کر میں گھوڑے کی طرف جھپٹا ــــ"
اتنا کہہ کر مُلّا خاموش ہو گئے اور اٹھنے کا ارادہ کرنے لگے۔
کسی نے پوچھا۔
"پھر کیا ہوا مُلّا! آپ نے سواری کی؟"
مُلّا نے جواب دیا۔
"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ کیا تم لوگ اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے۔ کہ جس گھوڑے پر کوئی درباری نہ بیٹھ سکا ہو اس پر میں بھلا کیوں کر بیٹھ سکتا تھا۔ میں بھی چپکا ہو رہا ــــ!"

حاضر دماغی

مُلّا نصرالدین تاتاریوں کے بڑے سخت دشمن

تھے۔ ہر محفل اور ہر جگہ ان کو بُرا بھلا کہا کرتے
تھے۔ اس زمانے میں تاتاریوں کو ہر جگہ فتح نصیب
ہو رہی تھی۔ سارے مغربی ایشیا پر وہ چھاتے
چلے جا رہے تھے۔

ایک دن مُلّا جمعہ کی نماز سے پہلے مسجد میں تقریر
کر رہے تھے۔ اس میں انھوں نے تاتاریوں کی زیادتیوں
اور مظالم کا ذکر کیا اور تیمور لنگ کو بھی بُرا بھلا کہا۔
تیمور کو پہلے ہی خبر مل چکی تھی کہ مُلّا نصرالدین
ہمارے دشمن ہیں اور ہر جگہ ہماری مخالفت کیا
کرتے ہیں۔ چنانچہ اس جمعہ کو وہ خود فقیر کا بھیس
بدل کر مسجد میں آیا ہوا تھا تاکہ اپنے کانوں سے
مُلّا کی باتیں سنے۔ تیمور کے ساتھ اس کے بہت
سے سپاہی بھی سادے کپڑے پہنے مسجد میں
موجود تھے۔

مُلّا نے جب اپنی تقریر ختم کر کے دعا مانگی۔
"اے خدا ان تاتاریوں کو غارت کر دے!" اور
تیمور لنگ نے جو یہ دعا سنی تو آگے بڑھا اور
مُلّا سے کہا۔
"خدا تمھاری دعا کبھی قبول نہیں کرے گا۔"

مُلّا نے کہا۔
"آخر کیوں؟ جب وہ سب کی سنتا ہے تو
ہماری کیوں نہ سنے گا؟"
تیمور لنگ نے جواب دیا۔
"تمھیں اپنے کیے کی سزا مل رہی ہے۔ تم
جانتے ہو کہ ہر بات کی ایک وجہ ہوتی ہے۔
کوئی کام یوں تو ہو نہیں جاتا۔ تم نے یقیناً
کوئی کام ایسے کیے ہوں گے جن کی سزا آج
مل رہی ہے۔ اور جب موجودہ حکمران تم پر
بطور سزا مسلّط کیے گئے ہیں تو ان کا بدلہ کیسا؟"
اب تو مُلّا بہت سٹپٹائے۔ انھوں نے دیکھا
کہ یہ باتیں ایک فقیر کہہ رہا ہے۔ یقیناً ان میں
کچھ نہ کچھ سچائی ضرور ہوگی۔ انھوں نے مزید کھوج
لگانے کی نیت سے تیمور لنگ سے پوچھا۔
"آپ کون صاحب ہیں اور کیا نام ہے؟"
تیمور لنگ نے جواب دیا۔
"میں ایک فقیر آدمی ہوں میرا نام تیمور ہے۔"
تیمور کا نام سنتے ہی مُلّا کے چہرے کا رنگ
اُڑ گیا۔ انھوں نے بمشکل حواس پر قابو پاتے

ہوئے نمازیوں پر نگاہ دوڑائی۔ کچھ لوگ اِدھر اُدھر کھڑے تھے جو ہتھیاروں سے لیس تھے۔ ملا سمجھ گئے کہ یہ تیمور کے سپاہی ہیں۔

انھوں نے مزید تصدیق کے لیے پوچھا۔

"کیا آپ کا نام لنگ پر تو ختم نہیں ہوتا؟"

تیمور نے جواب دیا "ہاں"

اب ملا پھر نمازیوں سے مخاطب ہوئے اور بولے۔

"بھائیو! ابھی ہم نے اجتماعی طور پر دعا مانگی تھی۔ اب سب کے سب اکٹھا ہو کر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہم لوگوں کا وقت قریب آپہنچا۔"

تیمور نے جو یہ باتیں سنیں تو بڑا محظوظ ہوا۔ اس نے ملا کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اپنے درباریوں میں شامل کر لیا۔

جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے

ایک مرتبہ ملا نصرالدین کے گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک شاہراہ تعمیر کی گئی۔ ملا کو بڑی خوشی ہوئی کہ اب خوب مزے سے سیر کیا کریں گے اور چونکہ اس پر لوگوں کی آمد و رفت زیادہ ہوگی اس لیے ڈر بھی نہ لگے گا۔

جب ملا کو اطلاع ملی کہ شاہراہ بن کر تیار ہوگئی ہے تو انھوں نے ارادہ کیا کہ چلو اس کا افتتاح تو کر آؤں چنانچہ وہ خوب اچھے کپڑے پہن کر عمامہ سر پر باندھ کر شاہراہ کی سیر کے لیے روانہ ہوگئے شاہراہ نہایت چوڑی اور پختہ بنی تھی اس کے دونوں طرف سایہ دار درخت بھی لگائے گئے تھے جگہ جگہ پانی کی سبیلیں بھی تھیں۔ ملا یہ سب منظر دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور دور تک دیکھتے چلے گئے۔

جب کافی چل لیے تو انھیں تھکن معلوم ہوئی۔ سوچا کہ کسی درخت کے نیچے تھوڑی دیر آرام کرلوں پھر واپس چلوں۔ یہ سوچ کر وہ ایک گھنے درخت کی چھاؤں میں لیٹ گئے۔ تھکے ہوئے تو تھے ہی۔ لیٹتے ہی نیند آگئی اور وہ بے خبر سو گئے۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ان کا عمامہ غائب ہے۔ غالباً سونے میں کوئی اچکا لے کر چمپت ہوگیا تھا۔

مُلّا بڑے پریشان ہوئے۔ چاروں طرف نگاہ دوڑائی لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ چاروناچار ننگے سر روانہ ہوگئے۔

اب دوپہر ہوچکی تھی۔ سورج بڑی تیزی سے چمک رہا تھا۔ گرمی کا زمانہ اور دوپہر کا وقت مُلّا پسینے میں شرابور ہوگئے۔ پھر ان سے چلا نہ گیا اور وہ ایک درخت کے نیچے آرام کرنے لگے۔ یہاں پھر ان پر نیند کا غلبہ ہوا اور وہ خراٹے لینے لگے۔ کچھ ہی دیر ہوئی ہوگی کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز اور لوگوں کی باتوں سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ اٹھ کر دیکھا تو سامنے سپاہیوں کا ایک جتھا نظر آیا جو گھوڑوں پر سوار تھا۔ اور ایک آدمی کو پکڑے ہوئے لیے جارہا تھا۔

سپاہی صورت سے نہایت بھیانک اور جلاد معلوم ہورہے تھے۔ مُلّا کو بڑی تشویش ہوئی کہ آخر معاملہ کیا ہے، یہ سپاہی اس آدمی کو کیوں پکڑے لیے جارہے ہیں؟ جب ان سے صبر نہ ہوا تو آگے بڑھ کر سپاہیوں کو روکا اور ان سے پوچھ ہی لیا۔

"ارے بھائی کیا معاملہ ہے؟" سپاہیوں میں سے ایک نے، جو اپنی وردی اور وضع قطع سے ان سب کا افسر معلوم ہورہا تھا، جواب دیا "ہم اس آدمی کو گرفتار کرکے لیے جارہے ہیں۔ اِسے بادشاہ نے شاہراہ کی حفاظت کے لیے تعینات کیا تھا۔ ابھی ہم لوگ جو جانچ کے لیے نکلے تو دیکھا یہ سورہا ہے۔ پس ہم نے اسے گرفتار کرلیا"

مُلّا نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"تو کیا آپ لوگ اس کو سزا دیں گے؟"

پولیس افسر نے جواب دیا: "جی ہاں اس کا سر قلم کیا جائے گا۔"

مُلّا نے کہا: "اوہ! اب میں سمجھا۔ جو کوئی اس شاہراہ پر سوتا ہے اُسے یا تو اپنی پگڑی سے ہاتھ دھونا ہوتا ہے یا سر سے۔ خدا جانے اب کون سی چیز سے کس کو ہاتھ دھونے پڑیں۔ البتہ اس کا مجھے پکا یقین ہے کہ آپ لوگ اس سڑک کی حفاظت اچھی طرح کریں گے۔"

مُلّا ابھی یہ کہہ ہی رہے تھے کہ ان کی بیوی نے شانہ پکڑ کر زور سے ہلایا۔

"جاگ جاؤ بہت دن چڑھ چکا ہے"
ملّا نے بڑبڑاتے ہوئے کہا:
"چلی جاؤ یہاں سے — کیا تم سمجھتی ہو میں
سو رہا ہوں میں بالکل جاگ رہا ہوں۔ ہائے میرا
عمامہ! کمبختوں نے پھاڑ بھی ڈالا ہوگا"
یہ کہہ کر ملّا آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ بیٹھے دیکھا
تو عمامہ سرہانے رکھا ہوا ہے۔

سوچنے کا انداز

ایک دن ملّا نصرالدین صبح کی سیر کو نکلے تو
ٹہلتے ٹہلتے کافی دور نکل گئے۔ اب انھیں واپسی
کا خیال آیا۔ انھوں نے سوچا کہ جتنی دیر میں یہاں
تک پہنچا ہوں اتنی ہی دیر واپسی میں بھی لگے
گی اس لیے بہتر یہ ہے کہ کسی چھوٹے راستے سے
چلیں۔ ایک راستہ جنگل میں سے ہو کر اُن کے
گھر کو جاتا تھا۔ جو کافی مختصر تھا۔ جنگل گھنے درختوں
سے بھرا ہوا تھا۔ صبح کا سہانا وقت تھا۔ چڑیاں
چہچہا رہی تھیں۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سے
دماغ معطر ہو رہا تھا۔ ملّا نے اسی راستے کا انتخاب
کیا اور آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ وہ بڑے خوش
تھے آج صحیح راستے سے جا رہے ہیں۔ آج کا دن
بڑا اچھا گزرے گا۔

ابھی زیادہ دُور نہ گئے ہوں گے کہ اچانک وہ
ایک گڑھے میں جا گرے۔ اب تو وہ بہت چکرائے
وہ تو سوچ رہے تھے کہ دن بڑا اچھا گزرے گا
اچانک یہ کیا مصیبت آن پڑی۔ پہلے تو خیال آیا کہ
کیوں نہ پرانی سڑک سے گئے پھر دل کو یوں سمجھایا۔
"جب اتنے خوب صورت اور سہانے ماحول
میں اتنی بڑی مصیبت آسکتی ہے تو میں لمبی
شاہراہ سے واپس گیا ہوتا تو خدا جانے کیا مصیبت
آتی!"

یہ سوچ کر وہ مطمئن ہوگئے اور گڑھے
سے نکل کر کپڑے جھاڑے اور گھر کی راہ لی۔

بچھڑے کی تربیت

ایک دن ملّا کو حماقت کا زبردست دورہ پڑا۔
انھوں نے گائے کا بچھڑا پکڑا اور اسے اپنے قلم
کے سوراخ میں داخل کرنے کی کوشش کرنے

لگے۔ اتنا بڑا بچھڑا قلم کے سوراخ میں بھلا کیوں
کر جاتا؟ وہ بڑے زچ ہوئے غصّہ اتارنے کے
لیے گائے کے پاس پہنچے اور پاس کھڑے ہو کر
اس کو خوب صلواتیں سنائیں۔

قریب ہی کوئی آدمی کھڑا ہوا مُلّا کی حرکتیں
دیکھ رہا تھا، وہ پوچھ بیٹھا۔

"ارے مُلّا! گائے کو کیوں بُرا بھلا کہہ رہے
ہو؟"

مُلّا نصرالدین نے جواب دیا۔

"تم چپ رہو جی، اپنی ٹانگ نہ اڑاؤ۔ یہ سب
اس گائے کی خطا ہے۔ اس نے بچھڑے کی صحیح
تربیت ہی نہیں کی ---!"

دوسری بات

گرمیوں کے دن تھے۔ بہت تیز دھوپ تھی۔
لو کے جھونکے بھی چل رہے تھے۔ مُلّا اسی گرمی
میں گھر سے نکل پڑے انھوں نے سوچا کہ کہیں
گرمی سردی سے دُنیا کے کام بند ہو جاتے ہیں۔
گھر سے نکل کر تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ حلق
میں کانٹے پڑنے لگے۔ مارے پیاس کے بُرا حال
ہونے لگا۔ اِدھر اُدھر دیکھا کہ شاید کہیں پانی نظر
آجائے لیکن وہاں سنّاٹا تھا اور نہ کوئی آدمی ہی
نظر آیا جس سے دل کا حال کہتے۔ پہلے تو سوچا کہ
چلو واپس چلیں لیکن گھر سے پکّا ارادہ کر کے چلے
تھے کہ کام کر کے لوٹیں گے اس لیے واپسی کی
ہمت نہ پڑی۔

اتنے میں ایک آدمی نظر آیا جس کے ہاتھ میں
انگور کے خوشے تھے۔ انگور نہایت عمدہ اور تازے
تھے۔ مُلّا کے منھ میں پانی بھر آیا۔ للچائی نظروں سے
انگوروں کی طرف دیکھا، لپکتے ہوئے اس کی طرف
گئے اور اس سے بولے۔

"شیخ صاحب! شیخ صاحب! تھوڑے سے انگور
مجھے دے دیجیے۔ بڑی پیاس لگی ہے"

اس آدمی نے مُلّا کی طرف غور سے دیکھا اور بولا۔
"میں شیخ نہیں ہوں ایک عام آدمی ہوں مجھے
اس طرح آواز مت دو"

مُلّا سمجھے کہ شاید کوئی بہت بڑا آدمی ہے اور
میرے شیخ کہنے سے کھسیانا ہو گیا ہے۔ اس کو زیادہ

اچھے لفظوں سے مخاطب کیا جائے تو یہ خوش ہو جائے گا اور ہمیں انگور دیدے گا۔ یہ سوچ کر انھوں نے دوبارہ آواز دی

"جنابِ عالی! مجھے صرف ایک ہی انگور دے دیجیے"

اس آدمی نے غصّے سے کہا۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ عالی والی میں کچھ بھی نہیں ہوں ٹھیک سے بات کرو"

اب تو مُلّا اور بھی سٹپٹائے اور جل کے بولے "اچھا صاحب نہ بتائیے کہ آپ کون ہیں کیا ہیں؟ ممکن ہے تھوڑی دیر میں یہی پتا چلے کہ آپ کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ بھی انگور نہیں ہیں۔ کوئی اور شے ہے۔ اس لیے اس بات ہی کو رہنے دیجیے۔ چلیے کوئی دوسری بات کریں"

سر پھرے لوگ

ایک دن سفر کے دوران مُلّا نے کسی گاؤں میں لوگوں کو نیا چاند دیکھتے ہوئے پایا۔ مُلّا کو بڑا تعجب ہوا۔ کہنے لگے "اس گاؤں کے لوگ عجیب سر پھرے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں اکٹھا ہو کر اتنا باریک سا

چاند دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارے گاؤں کے لوگ تو پورے چاند کو بھی کبھی دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے"

مُلّا کا امتحان

ایک دن مُلّا نصرالدین بازار سے گزر رہے تھے ان کے ساتھ ان کا ایک نادان دوست بھی تھا۔ راستے میں انھیں ایک صوفی بزرگ مل گئے۔ صوفی صاحب مُلّا نصرالدین کی شہرت سن چکے تھے۔ انھوں نے سوچا کہ کیوں نہ آج مُلّا کا امتحان لیا جائے اور معلوم کیا جائے کہ وہ صرف ظاہری علم رکھتے ہیں یا باطنی علم میں بھی ان کو کچھ دخل ہے؟ یہ سوچ کر انھوں نے مُلّا کو ہاتھ کے اشارے سے روکا پھر منھ سے کچھ بولے بغیر اپنے داہنے ہاتھ کی کلمے کی انگلی کو آسمان کی طرف بلند کیا، اُسے ہوا میں دو تین چکر دے کر ہاتھ نیچے کر لیا اور خاموش کھڑے ہو گئے اب وہ انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں مُلّا کیا جواب دیتے ہیں؟ اسی سے اندازہ ہو جائے گا کہ مُلّا کا دل کتنا روشن ہے۔

صوفی کا مطلب یہ تھا کہ دنیا میں صرف ایک سچائی ہے جو تمام کائنات پر چھائی ہوئی ہے اور

.blogspot.com

وہ سچائی ہے خدا کی ذات۔

ملّا کا ساتھی یہ منظر دیکھ کر بڑا گھبرایا وہ سمجھا کہ صوفی کوئی پاگل آدمی ہے اور ممکن ہے ملّا پر حملہ کر بیٹھے۔ اسے اس بات پر اور بھی تعجب ہو رہا تھا کہ ملّا اپنے بچاؤ کے لیے کچھ بھی نہیں کر رہے ہیں اور اپنی جگہ کھڑے ہیں۔

مگر ملّا کہاں خاموش رہنے والے تھے۔ فوراً اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈالا ایک رسّی کا لچھا باہر نکالا اور اپنے دوست کو دے دیا۔ اب دوست مطمئن ہو گیا وہ سمجھ گیا کہ ملّا کا مطلب یہ ہے کہ اگر پاگل صوفی حملہ کرے تو اسے رسّی سے باندھ دیا جائے لیکن صوفی نے رسّی کو دیکھ کر کچھ اور ہی نتیجہ نکالا۔ وہ سمجھے ملّا کا مطلب یہ ہے کہ ایک عام آدمی سچائی کی تلاش صحیح طرح نہیں کرتا ورنہ وہ سچ ضرور پائے۔ ایک عام آدمی کی کوشش ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کہ کوئی آسمان تک جانے کے لیے رسّی کی مدد لے۔

چنانچہ وہ ملّا کے باطنی علم کے قائل ہو گئے بڑھ کر ان سے مصافحہ کیا اپنی راہ لی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ملّا نصرالدین کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ صوفی کیا کہنا چاہتا تھا؟

بھوک کی نعمت

ایک دن ملّا ایک شادی کی دعوت میں شریک ہوئے۔ ان کی عادت تھی کہ جب دسترخوان پر بیٹھتے تو خوب اطمینان سے کھاتے۔ چنانچہ اس دن بھی انھوں نے زردہ، بریانی اور متنجن پر ہاتھ صاف کیا۔ تمام مہمان کھا کے اٹھ گئے لیکن یہ برابر اپنے کام میں لگے رہے۔ بالآخر ایک منتظم دعوت نے ملّا سے طنزاً کہا۔

"ملّا صاحب کچھ اور پیش کروں؟"

ملّا نے جواب دیا۔

"بھائی خدا آپ کا بھلا کرے۔ ایک پلیٹ بریانی کی لا دیجیے۔ خدا نے مجھے ایک یہی بھوک کی نعمت تو عطا کی ہے ورنہ اس کے سوا اور میرے پاس کیا رکھا ہے؟"

مُلّا کا ستارہ

مُلّا نصرالدین کو علمِ نجوم پر بڑا ناز تھا، اپنے برابر وہ کسی کو مانتے ہی نہ تھے۔ ایک دن کسی نجومی کو شرارت سوجھی۔ اس نے مُلّا کا اِمتحان لینے کی ٹھان لی۔ وہ مُلّا کے پاس آیا اور اُن سے پوچھا۔

"مُلّا صاحب! جب آپ پیدا ہوئے تھے تو آپ کا ستارہ کس بُرج میں تھا؟"

مُلّا بولے۔

"آپ سیدھا سوال کیوں نہیں کرتے۔ گھما پھرا کے بات کرتے ہیں۔ میں ایک کرائے کے مکان میں پیدا ہوا تھا۔ کہیے آپ کو کیا کہنا ہے؟"

نجومی سمجھا کہ مُلّا ہمارا مطلب نہیں سمجھ سکے اس لیے صاف صاف پُوچھا۔

"مُلّا صاحب! میں علمِ نجوم پر بات کر رہا ہوں میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کس ستارے کے سائے میں پیدا ہوئے تھے؟"

مُلّا نے جواب دیا۔

"ہمارا ستارہ گدھے کے برج میں تھا، ٹھیک اسی وقت میں پیدا ہُوا"

نجومی نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ گدھے کا برج کون سا ہوتا ہے۔ یہ تو میں آج پہلی مرتبہ آپ کی زبان سے سن رہا ہوں"

مُلّا نے بڑی صفائی سے جواب دیا۔

"تمھاری عمر مجھ سے زیادہ ہے اس لیے تمھارا علم بھی پرانا ہے۔ اب علمِ نجوم میں کافی ترقی ہوگئی ہے اور اس میں بہت سے نئے برج شامل ہوگئے، ایک گدھے کا برج بھی ہے۔ کیا سمجھے آپ؟"

میں کون ہوں

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین بغداد گئے۔ اس کو انھوں نے بہت بڑا اور خوب صورت شہر پایا۔ ہر طرف سڑکوں کا جال بچھا ہوا تھا اور ہر بازار میں گہما گہمی تھی۔ مُلّا یہ منظر دیکھ کر بہت خوش ہوئے لیکن انھیں یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ یہاں کے لوگ راستہ کیسے یاد رکھتے ہیں بیشکڑوں

سڑکیں، گلیاں اور شاہراہیں ہیں، دوسری فکر یہ
تھی کہ لوگ کھوتے کیوں نہیں ہیں؟ بالآخر مُلّا
نے سوچا کہ دوسروں کی فکر کرنا بے کار ہے، خود
اپنے کو یاد رکھو اور خوب احتیاط سے دیکھ بھال
کے چلو وہ سوچنے لگے کہ اگر کہیں میں خود
کھو گیا تو کون تلاش کرے گا، یہاں تو کوئی جاننے
والا بھی نہیں ہے۔

چلتے چلتے وہ ایک سرائے میں پہنچے اور اس
کے مالک سے کہا۔

"میں یہاں قیام کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے انھیں ایک بستر الاٹ کر دیا نصیر الدین
نے سوچا کہ تھوڑی دیر آرام کرکے پھر شام کو
گھومنے جائیں گے اور جی بھر کے بغداد کی سیر
کریں گے چنانچہ وہ اپنے بستر پر لیٹ گئے۔ ان
کے برابر جو آدمی لیٹا ہوا تھا وہ کوئی مسخرہ تھا۔
مُلّا جب لیٹے تو ان کے دل میں خیال آیا
کہیں ایسا نہ ہو کہ میں سو جاؤں اور جب آنکھ
کھلے تو خود کو پہچان نہ سکوں۔ یہ کیسے معلوم ہوگا
کہ میں کون سا آدمی ہوں لہٰذا انھوں نے برابر
والے مسخرے سے اپنی پریشانی بیان کی۔ مسخرے بولا

"اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔ وہ
دیکھو سامنے ایک غبارا پڑا ہے۔ اُسے اُٹھا کر
اپنے پاؤں میں باندھ لو اور سو جاؤ۔ جب آنکھ
کھلے گی تو تم غبارے کی مدد سے خود کو فوراً پہچان لوگے۔"

مُلّا کی سمجھ میں یہ ترکیب آگئی۔ انھوں نے
جھٹ غبارہ اپنے پیر میں باندھ لیا اور سو گئے۔

جب مُلّا بے خبر سو گئے تو مسخرا اپنے بستر
سے اٹھا اور چپکے سے مُلّا کے پیر سے غبارہ
کھول کر اپنے پیر میں باندھ لیا۔ کافی دیر بعد جب
مُلّا کی آنکھ کھلی تو انھوں نے غبارا مسخرے کے پیر
میں بندھا پایا لہٰذا انھوں نے طے کر لیا کہ میں برابر
والی چارپائی پر لیٹا ہوں لیکن اس فیصلے کو
ان کے دل نے قبول نہ کیا۔ اب بہت چکرائے
اور گھبراہٹ میں مسخرے کو ٹہوکے مار کے جگا دیا
جب وہ اٹھ بیٹھا تو اس سے بولے۔

"ارے بھائی مجھے ایسا لگتا ہے کہ کچھ گڑبڑ
ہوگئی ہے۔ ذرا اٹھو دیکھو تو کیا ہوا؟ تمھاری
تجویز میں نے عمل کیا لیکن وہ کامیاب ثابت نہ

بولی۔ جلدی اٹھو!"
مسخرہ جب اچھی طرح ہشیار ہوگیا تو اس نے
پوچھا۔
"ارے کیا اودھم مچا رکھا ہے۔ کیا بات ہے
چپکے نہیں لیٹا جاتا؟"
مُلّا نے جواب دیا۔
"ہماری مشکل حل کرو ورنہ ہم پاگل ہوجائیں
گے۔ غبارا یہ بتاتا ہے کہ تم تم نہیں ہو میں ہوں
لیکن اگر تم کو میں مان لیا جائے تو خدا کے
واسطے مجھے بتاؤ کہ میں کون ہوں؟"

مُردے کی پہچان

ایک دن مُلّا پر فلسفہ کا دورہ پڑا۔ بیٹھے بیٹھے
سوچنے لگے کہ بعض لوگ جو ظاہری طور پر زندہ
معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقتاً مردہ ہیں، اس کے برخلاف
بعض لوگ جو مرچکے ہیں زندوں کی طرح معلوم ہوتے
ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آخر وہ کون سی خوبی
ہے جو زندہ اور مردہ کو جُدا کرتی ہے۔ مُلّا کا
مطلب یہ تھا کہ کوئی ایسی آسان پہچان ہونی چاہیے
جس سے بغیر کسی زحمت کے بتایا جا سکے کہ فلاں
شخص زندہ ہے یا مردہ۔
مُلّا اپنی سوچ میں اس قدر غرق ہوئے کہ
ماحول سے بالکل غافل ہوگئے۔ اور یہی باتیں زور
زور سے کرنے لگے۔ ان کی بیوی نے یہ بڑبڑاہٹ
سن لی اور پاس آکر بولیں۔
"تمہیں دُنیا کا کوئی اور کام بھی ہے کہ بس
یونہی بک بک کیا کرتے ہو؟"
مُلّا بولے۔
"تم چولھا ہانڈی کرو، تمہیں ہمارے علمی مسائل
سے کیا غرض؟"
بیوی نے جواب دیا۔
"اے ہم بھی تو سُنیں تمہارے علمی مسائل بڑے
قابل بنے پھرتے ہو"
مُلّا نے کہا۔
"لو بتاؤ! بالکل معمولی سوال ہے کہ مُردہ کسے
کہتے ہیں، مرے ہوئے آدمی کی کیا پہچان ہے؟"
بیوی نے جواب دیا۔
"تو یہی ہیں تمہارے علمی مسائل — یہ بھی کوئی

مشکل بات ہے۔ ارے جس کسی کے ہاتھ پاؤں
ٹھنڈے برف ہو جائیں سمجھو کہ مر چکا ہے۔"
ملا بیوی کی اس عقلمندی کے جواب پر بہت
خوش ہوئے۔ بات آئی گئی ہوئی۔
ایک دن کا ذکر ہے کہ ملا جنگل میں لکڑیاں
کاٹ رہے تھے۔ جاڑے کا زمانہ تھا۔ ٹھنڈی ہوائیں
چل رہی تھیں ملا کو سخت سردی محسوس ہوئی ہاتھ
پاؤں ناک کان سب ٹھنڈے ہو گئے۔ ملا کو جو اس
ٹھنڈک کا پتا چلا تو بیوی کی بات یاد آگئی۔ انہیں یقین
ہو چلا کہ موت نے انہیں آ دبوچا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی
انہوں نے لکڑی کاٹنا بند کر دی اور آپ ہی آپ بولے۔
"کہیں مردے بھی کوئی کام کرتے ہیں، وہ تو
سیدھے لیٹ جاتے ہیں۔ نہ بولتے ہیں اور نہ کسی
قسم کی حرکت کرتے ہیں۔"
اس کے ساتھ ہی وہ چپ سادھ کر لمبے لیٹ گئے۔
اتفاق کی بات کہ جاڑے کا مارا بھیڑیوں کا ریوڑ ادھر سے
آنکلا۔ اس کو مدت سے کوئی شکار نہ ملا تھا۔ بھیڑیوں نے
ملا کو تو مردا سمجھ کر چھوڑ دیا لیکن ان کے گدھے
پر حملہ کر دیا۔ تھوڑی دیر میں بھیڑیوں نے

گدھے کو ہضم کر لیا۔ ملا ڈر کے مارے چپکے پڑے
دیکھتے رہے۔ جب بھیڑیے چلے گئے تو بولے۔
"زندگی کا یہ فائدہ ہے۔ اگر میں زندہ ہوتا تو کیا
بھیڑیے میرے گدھے کو کھا سکتے تھے؟ سچ ہے
ایک چیز دوسرے پر منحصر ہے۔ میری موت سے
بھیڑیوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا۔"

مرغ کا شوربا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ملا کے کوئی دور کے
رشتے دار ملا سے ملنے آئے۔ انہوں نے یہ خیال
رکھا کہ اپنے ساتھ ایک مرغ بھی لیتے آئے تاکہ
ملا کو پریشانی نہ ہو۔ ملا نصر الدین کو ان کا آنا ذرا
بھی نہ کھلا۔ خوب مزے میں مرغ کو ذبح کیا اور
خوب عمدہ بھنا ہوا گوشت تیار کرایا پھر دونوں نے
مزے لے لے کر کھایا۔ ان کی کافی خاطر مدارات
کی۔ اور دوبارہ آنے کے لیے بھی کہا۔
اس ملاقات کو کچھ ہی روز گزرے ہوں گے
کہ کوئی صاحب ملا کے یہاں آئے اور ان سے
بولے کہ میں آپ کے فلاں رشتے دار کا قریبی

دوست ہوں جو آپ کے پاس مُرغ لائے تھے۔ مُلّا نے ان کو بُلا کر بٹھایا۔ خیریت پوچھی اور وہ صاحب بھی کھانا وغیرہ کھا کر رخصت ہو گئے۔ پھر کچھ دن گزرے تو کوئی دُوسرے صاحب مُرغ والے عزیز کے دوست بن کر آئے اور مُلّا کے گھر مہمان ہوئے۔ یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔ مُلّا کا مکان اچھی خاصی سرائے بن گیا۔ جس کو دیکھو منہ اُٹھائے چلا آ رہا ہے۔ مُلّا بے چارے اخلاق میں مارے گئے۔

بالآخر ایک دن جو ایک صاحب نے دروازہ کھٹکھٹایا تو مُلّا سخت مشتعل ہو گئے۔ دروازہ کھول کر نئے مہمان سے ملے اور ان کا پتا نشان پوچھا۔ دستک دینے والے شخص نے جواب دیا۔

"فلاں صاحب جو آپ کے یہاں مُرغ لے آئے تھے، میں اُن کے دوست کے دوست کا دوست ہوں۔"

مُلّا نے اپنے غُصّے کو چھپاتے ہوئے کہا۔

"آیئے تشریف لے آیئے۔"

تھوڑی دیر میں مُلّا نے ان کو کھانے کی میز پر بلایا اور بیوی کو آواز دی کہ شوربا بھیج دو۔ شوربا کیا تھا گرم پانی تھا۔ جب مہمان نے شوربے کو چکھا تو اس میں نہ نمک نہ مرچ۔ بس گرم پانی پیالے میں رکھ دیا گیا تھا۔ وہ پوچھ بیٹھا۔

"مُلّا! یہ کون سی قسم کا شوربا ہے؟"

مُلّا نے برجستہ جواب دیا۔

"یہ مُرغ کے شوربے کے شوربے کا شوربا ہے"

ہاضمہ کا علاج

ایک زمانے میں مُلّا حکمت کرنے لگے تھے۔ ایک دن ایک مریض آیا جس نے بدہضمی کی شکایت کی اور کہا۔

"حکیم صاحب! چاہے جتنی ہلکی غذا کھاؤ ہمارا معدہ ہضم ہی نہیں کرتا۔ کوئی ایسی دوا دیجیے کہ کھانا آسانی سے ہضم ہونے لگے۔"

مُلّا نے مریض کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ایک بات کا خیال رکھو، اگر کوئی چیز ہضم نہیں

اپنی پگڑی اتاری اور اس کے کنارے بندھی ہوئی
ایک گرہ کھولی' اس میں سے دو روپے نکالے اور
پھل والے کو دے دیے کہ پھل دے دو پھل والا
دو روپے لے کر بڑا خوش ہوا اور پوری ٹوکری
مُلّا کے حوالے کرکے چلتا بنا۔ مُلّا اسی جگہ بیٹھ گئے
اور خوب شوق سے پھل کھانا شروع کر دیے۔ ایک
پھل کھایا تو زبان میں کچھ کچھ جلن سی ہوئی پھر
دوسرا پھل کھایا۔ تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے
ناک بہنے لگی' منھ خوب جلا۔ یہ سوں سوں کرتے
گئے اور اپنے خریدے ہوئے پھل کھاتے رہے۔

تھوڑی دیر میں ادھر سے کسی افغان کا گزر ہوا
مُلّا نے اس کو بڑے ادب سے سلام کیا اور بے
تکلف ہوتے ہوئے کہا۔

"میرے بھائی یہ کافر پھل تو شیطان کے تھوکے
ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔"

افغان نے جواب دیا۔

"ارے پاگل! تم سے کس نے کہہ دیا کہ یہ
پھل ہیں، یہ تو ہندوستان کی سُرخ مرچیں ہیں۔
اب نہ کھانا ورنہ تمھاری جان کی خیر نہیں سورج غروب
ہونے سے پہلے پہلے تم اللہ کو پیارے ہو جاؤ گے

مُلّا نے تو رقم خرچ کرکے یہ پھل خریدے تھے
وہ بھلا انھیں کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ انھوں نے
طے کیا کہ جب تک تمام پھل نہ کھاؤں گا اپنی
جگہ سے نہ ہلوں گا۔

افغان نے جب یہ دیکھا کہ مُسافر مرچیں
کھائے چلا جا رہا ہے تو پھر بولا۔

"ارے بے وقوف آدمی! اب تو باز آجاؤ یہ مرچیں
سالن میں ڈالی جاتی ہیں یوں نہیں کھائی جاتیں
انھیں فوراً پھینک دو اور کچھ اور کھانے
کی فکر کرو۔"

مُلّا نصرالدین نے جھٹ جواب دیا۔

"اب میں پھل نہیں کھا رہا ہوں۔ میں تو اپنا روپیہ
کھا رہا ہوں۔"

روشنی کی ضرورت

ایک مرتبہ مُلّا چائے خانے میں بیٹھے شیخی بگھار
رہے تھے۔ گاؤں کے دوسرے لوگ بڑی عقیدت
سے مُلّا کی باتیں سن رہے تھے۔

دورانِ گفتگو میں مُلاّ بولے۔
"میں اندھیرے میں بھی اتنا ہی صاف دیکھ لیتا ہوں جتنا دن کے اُجالے میں"
کسی نے پوچھ لیا۔
"مُلاّ! پھر رات کو آپ چراغ لے کے کیوں چلتے ہیں؟"
مُلاّ نے جواب دیا۔
"چراغ تو اس لیے لے کر چلتا ہوں کہ دوسرے لوگ مجھ سے نہ ٹکرا جائیں۔"

مُناسب مشورہ

ایک دن مُلاّ کو مذاق سوجھا اور وہ سیدھے پرچون کی دُکان پر پہنچے جہاں ہر قسم کا سامان بکتا تھا۔ دکان پر پہنچ کر انھوں نے دُکان دار سے پوچھا

"آپ کے پاس عمدہ قسم کی چھوٹی کیلیں ہوں گی—؟"
دُکان دار نے جواب دیا۔

"جی ہاں، میرے پاس کئی قسم کی چھوٹی بڑی کیلیں ہیں آپ کو جو پسند ہوں دیکھ کر لے لیں"
مُلاّ نے پہلی بات کا جواب دیے بغیر پھر پوچھا۔
"اچھا چمڑا بھی ہوگا۔ صاف اور نرم ہونا چاہیے"
دُکان دار نے کہا "ہاں چمڑا بھی ہے"
مُلاّ نے پھر پوچھا
"اور جوتے کے فرمے ہیں؟"
دُکان دار نے پھر کہا "ہاں ہیں"
ابھی یہ جواب ملا بھی نہ تھا کہ مُلاّ نے ایک اور سوال داغ دیا۔
"اور ہاں! چمڑا رنگنے کا بھی سامان ہے؟"
دُکان دار نے کہا "جی ہاں وہ بھی ہے!"
اب مُلاّ بولے۔
"پھر خدا کے بندے تم یہ دُکان کیوں کھولے بیٹھے ہو جوتوں کا کارخانہ کیوں نہیں کر لیتے جس میں کمائی ہی کمائی ہے"

حفظِ ماتقدم

مُلاّ نصرالدین کی اپنے گاؤں میں بہت عزت تھی

ہر شخص ان کا پاس لحاظ کرتا تھا۔ جہاں کہیں کوئی تقریب ہوتی انھیں ضرور بلایا جاتا۔ یہ بھی کسی کی دعوت کو ٹھکرانا بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے بلکہ اکثر ہوتا تھا کہ مقررہ وقت سے پہلے ہی پہنچ جاتے تھے اگر ایک وقت کی دعوت ہو تو وہ کم از کم دو وقت کا انتظام کروا لیتے تھے۔ اس کوشش میں کبھی کبھی انھیں اپنے جوتوں کا خیال نہ رہتا نتیجہ یہ ہوتا کہ واپسی میں ننگے پاؤں آنا پڑتا۔

جب کئی دفعہ اُن کے جوتے چوری ہوئے تو ان کو عقل آگئی۔ انھوں نے طے کر لیا کہ اب جوتے کہیں اتاریں گے نہیں بلکہ کوٹ کی اندر والی جیب میں رکھ لیا کریں گے۔

اتفاقاً کچھ ہی روز بعد ان کو کہیں سے دعوت نامہ ملا تو وہ پروگرام کے مطابق جوتے اندر کی جیب میں رکھ کر میزبان کے گھر میں داخل ہوئے۔ میزبان نے جو دیکھا کہ سینے کے پاس ملّا کا کوٹ کچھ اوپر اٹھا ہوا ہے تو تعجب سے پوچھا

"ملّا صاحب! کیا جیب میں کوئی کتاب رکھی ہے

کون سی کتاب ہے؟"

"ملّا نے سوچا کہ یہ شاید میرے جوتے غائب کرنے کی فکر میں ہے۔ تاڑ گیا ہے کہ جوتے جیب رکھے ہیں۔ ان کو باہر نکلوانا چاہتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی سوچا کہ ہوسکتا ہے وہ جوتے نہ سمجھا ہو اور واقعی کتاب سمجھ رہا ہو اس لیے عزت اسی میں ہے کہ گول مول جواب دو جس سے جھوٹ بھی نہ کھلے اور بات بھی بن جائے۔

چنانچہ انھوں نے میزبان کو جواب دیا۔

"آپ جو میرا کوٹ اٹھا ہوا دیکھ رہے ہیں وہ بے شک کسی چیز کی وجہ سے ہے اگر آپ اس چیز کو جاننے کے لیے بے چین ہیں تو لیجیے سنیے اس کا نام ہے "حفظ الاقدام"

میزبان نے مزید دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"بہت خوب! کس دکان سے یہ کتاب خریدی ہے آپ نے؟"

ملّا نے جواب دیا اور چپکے سے ایک طرف کو ٹہل گئے

"بھئی سچ پوچھو تو میں نے ایک جوتے والے سے خریدی ہے۔"

جہانگیر کا انصاف

ایک مرتبہ مُلّا کی لڑکی روتی پیٹتی اپنی سسرال سے آئی اور مُلّا کے سامنے آکر شکایت کرنے لگی۔

"آپ نے مجھے کس گھر میں جھونک دیا ہے۔ میں تو روز روز کے جھگڑوں سے تنگ آگئی ہوں۔ میرا شوہر بڑا ظالم ہے آئے دن مجھے مارتا ہے۔ آج بھی اس نے مارپیٹ کے گھر سے نکال دیا۔"

مُلّا نے جو بیٹی کی روداد سنی تو فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور دو تین ہاتھ زور زور سے اپنی بیٹی کے رسید کر دیے۔

جب مار چکے تو غصے میں لال پیلے ہوتے ہوئے بولے

"جا کے اپنے شوہر سے کہہ دے کہ ابھی میرا باپ زندہ ہے۔ گن گن کے بدلے لے گا۔ تو نے اگر میری بیٹی کو مارا تو میں نے بھی تیری بیوی کی مرمت کر دی۔۔۔۔ اور ہاں! یہ بھی کہہ دینا کہ اگر آئندہ گھر سے نکالا تو میں کبھی تیری بیوی کو گھر میں نہیں گھسنے دوں گا۔۔۔!"

تقدیر کا مسئلہ

ایک مرتبہ مُلّا اپنے طالب علموں کو تقدیر کا مسئلہ سمجھا رہے تھے۔ انھوں نے کہا۔

"لوگوں نے اس مسئلہ کو اس قدر الجھا دیا ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ سمجھنے میں غلطی کر جاتے ہیں حالانکہ اس میں مشکل سی تو کوئی بات ہی نہیں ہے! دیکھو میں تمھیں سمجھاتا ہوں جو لوگ تقدیر تقدیر کیا کرتے ہیں وہ اس کا مطلب نہیں سمجھتے۔ در اصل تقدیر کہتے ہیں کسی فرضی بات کو آدمی کوئی بات فرض کر لے اور بعد میں وہ پیش آئے یا نہ آئے تو اسے تقدیر کہہ دیتے ہیں۔ مثلاً آپ یہ فرض کر لیں کہ آپ کی زندگی آرام سے گزرے گی پھر کوئی مصیبت آجائے تو آپ کہیں گے کہ تقدیر خراب ہے۔ اسی طرح اگر آپ یہ فرض کر لیں کہ مجھے کبھی خوشی نصیب نہ ہوگی مگر اتفاق سے آپ کی زندگی آرام سے گزرنے لگے تو آپ اسے اپنی خوش قسمتی کہیں

گے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب آپ فرض کرتے ہیں کہ فلاں بات سامنے آئے گی اور وہ کبھی ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی تو یہ تقدیر کا مسئلہ نہیں آپ کی سمجھ کی کمی کا مسئلہ ہے۔ اگر آپ میں ذرا بھی عقل ہوتی تو آپ کوئی غلط فرضی بات طے ہی نہ کرتے۔"

ملا اسی سلسلے میں بولتے رہے۔

"لوگوں نے یہ بھی فرض کر رکھا ہے کہ مستقبل کسی کو معلوم نہیں۔ حالانکہ یہ بھی غلط ہے۔ آپ آسان لفظوں میں یوں سمجھیے کہ جہاں کہیں آپ ٹھوکر کھاتے ہیں قسمت پر الزام دھرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ آپ ٹھوکر کھاتے ہی کیوں ہیں!"

قتل کا بدلہ قتل

کسی زمانے میں ملا قاضی کے عہدہ پر فائز تھے۔ ایک دن ان کی عدالت میں ایک عورت نے شکایت پیش کی کہ فلاں آدمی نے زبردستی میرے بوسے لے لیا۔

ملا نے سوچا کہ جس طرح قتل کا بدلہ قتل ہوتا ہے اسی طرز پر اس مقدمے کا بھی فیصلہ کیا جاسکتا ہے چنانچہ وہ عورت سے مخاطب ہوئے۔

"نیک دل خاتون! تمھارے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ میں ابھی ملزم کو عدالت میں بلواتا ہوں تم اس سے اپنا بدلہ لے لو۔"

یہ بھی ممکن ہے۔!

ایک دن ملا نصرالدین کسی خیال میں کھوئے ہوئے سڑک پر چلے جارہے تھے۔ ایک مقام پر انھوں نے کچھ لڑکوں کو کھیلتے دیکھا۔ لڑکے کچھ شریر قسم کے تھے۔ انھوں نے ملا کو دیکھتے ہی پہلے تو ان پر آوازے کسے۔ جب ملا کچھ نہ بولے اور خاموشی سے اپنی راہ چلتے رہے تو انھوں نے زمین سے مٹی اٹھا اٹھا کر مارنا شروع کردی۔ اب تو ملا بہت کھسیانے ہوئے لیکن لڑکوں سے جیتنا مشکل تھا۔ اگر ڈانٹتے تو وہ اور زیادہ پریشان کرتے اس لیے انھوں نے ایک دوسری ترکیب سوچی۔ سب لڑکوں کو ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ جب وہ ان کے چاروں طرف اکٹھا ہوگئے تو بولے۔

"بچو! تم نے ایک خبر سنی؟"
بچوں نے پوچھا: "کون سی خبر؟"
مُلّا بولے۔
"وہ جو شہر کے امیر ہیں نا۔ انھوں نے آج عام دعوت کا اعلان کیا ہے۔ میں ابھی دیکھ کر آرہا ہوں، ان کے محل میں ایک سے ایک عمدہ کھانے پک رہے ہیں، قسم قسم کی مٹھائیاں اور طرح طرح کے پھل بھی منگائے گئے ہیں۔ آج جو بھی ان کے یہاں جائے گا ان کا مہمان خیال کیا جائے گا۔"

لڑکوں نے جو اچھے اچھے کھانوں کا ذکر سنا تو ان کے منھ میں پانی آنے لگا۔ انھوں نے مُلّا سے آگے بات ہی نہ کی اور سب امیر کے محل کی طرف بھاگنے لگے۔ مُلّا اپنی جگہ کھڑے لڑکوں کو دیکھتے رہے۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو مُلّا نے سوچا کہ کہیں لڑکوں کے کہنے پر امیر سچ مچ دعوت کا انتظام نہ کر دے۔ چنانچہ یہ خیال آتے ہی مُلّا نے آستینیں چڑھائیں پاجامہ اوپر کیا اور انگرکھے کے گھیر کو ہاتھ سے پکڑ کر بگٹٹ دوڑنے لگے تاکہ جلد از جلد لڑکوں کے غول میں خود بھی شامل ہو جائیں۔

شاپنگ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مُلّا نصرالدین پاجامہ خریدنے کے لیے بازار گئے۔ بازار میں سلے سلائے کپڑوں کی ایک بہت بڑی دکان تھی۔ مُلّا نے دکان میں پہنچ کر پاجامے نکلوائے۔ دکان دار نے کئی پاجامے ان کے سامنے ڈال دیے اور کہا کہ کوئی ایک پسند کر لیجیے۔ مُلّا کافی دیر تک اُن کو اٹھا اٹھا کر دیکھتے رہے۔ کسی کی سلائی ناپسند کرتے تو کسی کا کپڑا۔ خدا خدا کر کے ایک پاجامہ ان کی سمجھ میں آیا۔

اب داموں پر جھک جھک شروع ہو گئی۔ بہت دیر تک مول تول کرنے کے بعد قیمت بھی طے ہو گئی۔ اور مُلّا نے پاجامہ لے کر اپنے تھیلے میں ڈال لیا۔ اس کے بعد انھوں نے دکان دار سے انگرکھے دکھلانے کو کہا۔ دکان دار نے جلدی جلدی انگرکھے دکھلانے شروع کر دیے۔ انھوں نے بڑی مشکل سے ایک انگرکھا بھی پسند کر لیا۔ اتفاق سے

اس کی قیمت وہی تھی۔ جو پاجامے کی تھی۔ مُلّا نے
پاجامہ تھیلے سے نکال کر دُکان دار کی طرف بڑھاتے
ہوئے کہا۔

"بھئی میں یہ پاجامہ نہیں لوں گا۔ اس کے
بدلے میں انگرکھا لیے لیتا ہوں۔ یہ مجھے زیادہ پسند
ہے۔"

دُکان دار نے کہا۔

"کوئی بات نہیں جو مرضی آئے وہ لے لیجیے۔"

مُلّا نے انگرکھا جھولے میں ڈالا اور دُکان سے
نکلنے لگے۔ اب تو دُکان دار چونکا اور انھیں آواز
دی۔

"مُلّا جی انگرکھے کی قیمت تو دیتے جائیے۔"

مُلّا نے جواب دیا۔

"کیسی قیمت! انگرکھا تو میں نے پاجامے کے
بدلے میں لیا ہے۔"

دُکان دار نے کہا۔

"اچھا تو پاجامے کی قیمت ادا کر دیجیے۔"

مُلّا نے پھر جواب دیا۔

"واہ بھئی واہ! خوب بے وقوف بناتے ہو۔ جو چیز میں
نے خریدی ہی نہیں اس کی قیمت کیوں دوں؟"

نوکری

ایک زمانے میں مُلّا بادشاہ کے بہت قریب
ہوگئے تھے۔ اس کے دربار میں ان کو سب سے
زیادہ عزت کی جگہ بٹھایا جاتا۔ مُلّا خود بھی بادشاہ کا
بڑا ادب کرتے اور اس بات کا خیال رکھتے کہ کوئی
ایسی گستاخی نہ ہونے پائے جس سے بادشاہ ناراض
ہوجائے اور دربار سے نکلوا دے چنانچہ ہر وقت حق
مُصاحبی ادا کرتے رہے۔

ایک دن بادشاہ کو خوب زور کی بھوک لگی
شاہی مطبخ میں اس دن بھنے ہوئے بینگن پکے
تھے۔ وہی بینگن بادشاہ کے سامنے چُن دیے گئے
بادشاہ نے خوب مزے سے بینگن کھائے اور بڑی
تعریف کی۔ کھاتے میں اس نے مُلّا سے بھی پوچھا۔

"کیوں مُلّا! میرے خیال میں بینگن سے اچھی کوئی
ترکاری نہیں ہوتی۔"

مُلّا نے جواب دیا۔

"عالیجاہ! بے شک اس سے اچھی کوئی ترکاری

"کم از کم میں نے تو دیکھی نہیں"
بادشاہ نے باورچی کو حکم دیا کہ بینگن روزانہ پکائے جائیں۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ جب بادشاہ پانچ دن تک مسلسل بینگن کھا چکا اور چھٹے دن پھر اس کے سامنے بینگن کی پلیٹ رکھی گئی تو وہ غصے میں آگ بگولا ہوگیا اور زور سے چلایا:
"لے جاؤ میرے سامنے سے اس کو، انھیں دیکھ کر قے آتی ہے"
ملا جو پاس ہی بیٹھے تھے فوراً بولے۔
"جی ہاں! عالی جاہ! آپ صحیح فرماتے ہیں یہ تو بدترین سبزی ہے"
بادشاہ نے ملا سے پوچھا۔
"مگر ایک ہفتہ پہلے تو تم کہہ رہے تھے کہ بینگن سب سے اچھی ترکاری ہے"
ملا نے جواب دیا۔
"جی ہاں میں نے کہا تھا لیکن حضور میں تو بادشاہ کا نوکر ہوں، ترکاری کا نوکر تو نہیں ہوں"

جیسی کرنی ویسی بھرنی

ایک دن کا ذکر ہے کہ ملا نصرالدین کسی گلی سے گزر رہے تھے۔ اس گلی میں اونچی اونچی عمارتیں تھیں۔ ملا بے چارے قسمت کے مارے نظریں نیچی کیے چلے جا رہے تھے۔ اچانک ایک مکان کی پہلی منزل سے ایک آدمی ملا کے اوپر آکر گر پڑا۔ ملا نحیف اور دبلے پتلے تو تھے ہی۔ ان کی گردن مڑ گئی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ آدمی کے ذرا سی خراش بھی نہ آئی۔ لوگ ملا کو اٹھا کر اسپتال لے گئے۔ کچھ دیر بعد جب ملا کو ہوش آیا تو انھوں نے اپنے چاروں طرف شاگردوں کو کھڑا پایا تو حادثے کی خبر سن کر ملا کو دیکھنے گئے تھے۔ ملا کے چہرے پر قدرے اطمینان دیکھ کر انھوں نے پوچھا۔
"آپ کے خیال میں اس حادثے کا کوئی سبق آموز پہلو بھی ہے جو ہمارے علم میں اضافہ کر سکے؟"
ملا نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔
"بالکل ہے ___ آج سے یہ جان لو کہ یہ خیال

قطعاً غلط ہے کہ ہر بات کی کچھ نہ کچھ وجہ ضرور ہوتی ہے۔ دیکھو نا ــــ ایک دوسرا آدمی چھت سے گرا جھوٹ اسی کو لگنا چاہیے تھی لیکن گردن ٹوٹی ہماری۔ اب اس کو کیا کہو گے۔ اس لیے میرا کہنا مانو تو ایسی باتوں پر یقین کرنا چھوڑ دو کہ جو آگ کھائے گا انگارے ہگے گا۔

سُریلی آواز

مُلّا کی آواز بہت بھدی اور کرخت تھی لیکن وہ ہمیشہ یہی سمجھتے تھے کہ ان کی آواز سُریلی ہے۔ ایک دن حمام میں نہاتے وقت انھوں نے گنگنانا شروع کیا۔ تو انھیں اپنی آواز بہت زیادہ سُریلی معلوم ہوئی چنانچہ انھوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ دوسروں کو بھی اس سے محظوظ کریں گے۔
حمام سے باہر آکر وہ گھر سے باہر نکل گئے اور چبوترے پر اذان دینی شروع کر دی۔ اہلِ محلہ نے جو مُلّا کو اذان دیتے سنا تو پکار کر کہا۔
"ارے خدا کے بندے! یہ کون سا وقت اذان کا ہے؟"

مُلّا نے جواب دیا۔
"مجھے اذان سے کیا غرض؟ میں تو آپ لوگوں کو اپنی آواز سنا رہا ہوں۔"
کسی نے کہا۔
"آپ کی آواز تو ماشاءاللہ اتنی اچھی ہے کہ بچے سن لیں تو مارے ڈر کے گھر سے باہر نہ نکلیں"
اس جواب پر مُلّا ذرا بھی شرمندہ نہ ہوئے اور بے جھجک بولے۔
"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو ہماری آواز ناگوار گزری ــــ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ اگر آپ حمام میں میرا گانا سن لیں تو فرمائش کرکے سنا کریں"

نعوذ باللہ

ایک امیر آدمی نے مُلّا سے کہا کہ عباسی خلفاء میں یہ رسم تھی کہ وہ اپنے القاب میں عام طور پر باللہ لگایا کرتے تھے مثلاً معتصم باللہ، واثق باللہ، مکتفی باللہ وغیرہ وغیرہ۔ اگر اس زمانے میں، میں

بھی امیر ہوتا تو آپ مجھے کیا لقب دیتے۔
ملا نے فوراً جواب دیا: "نعوذ باللہ!"

لاجواب بات

ملا نصر الدین کے گاؤں میں ایک چائے خانہ تھا جہاں وہ اکثر جا بیٹھتے تھے۔ ان کی وجہ سے گاؤں کے دوسرے بہتیرے لوگ وہاں اکٹھا ہوجاتے اور گھنٹوں بات چیت ہوا کرتی۔ دنیا کا ہر مسئلہ زیر بحث آتا۔ ملا کی رائے کو آخری مانا جاتا۔

ایک دن چائے خانے میں کسی دوسرے علاقے کا ایک فقیر آنکلا۔ ملا خوش گپیوں میں مصروف تھے فقیر نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اس نے آتے ہی سب کو مخاطب کرکے دعویٰ کیا کہ دنیا میں کوئی بات ایسی نہیں جس کا کوئی جواب نہ ہو۔ ملا نصر الدین نے فقیر کا یہ دعویٰ مسترد کر دیا اور جھٹ کھڑے ہو کر کہنے لگے۔

"آپ کا فرمانا بالکل بجا ہے کچھ عرصہ پہلے تک میرا بھی خیال تھا کہ کوئی بات لاجواب نہیں ہوتی لیکن جب سے ایک عالم سے ملاقات ہوئی اور اس نے مجھ سے ایک سوال کیا جس کا میں جواب نہ دے سکا۔ اس وقت سے میں نے طے کر لیا کہ بعض باتیں واقعی لاجواب ہوتی ہیں۔"

فقیر نے جواب دیا۔

"افسوس! میں اس عالم کے پاس نہ جا سکا ورنہ اس کی لاجواب بات سنتا۔ خیر اب تم بتا دو کہ کون سی بات تھی جس کا جواب تم سے نہ بن پڑا۔"

ملا بولے۔

"اب تم نہیں مانتے ہو تو سن لو عالم نے مجھ سے کہا تھا۔ تم آدھی رات کو میرے مکان میں دیوار پھاند کر کیوں داخل ہوئے۔ اب تم ہی بتاؤ اس کا میں کیا جواب دیتا۔"

کھانے میں برکت

ایک دفعہ ملا اپنے دوستوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ راستے میں کھانے کا وقت ہو گیا۔ ملا نے کہا آؤ پہلے کھانا کھا لیں پھر آگے چلیں۔ دوست تیار ہو گئے۔ سب نے اپنا اپنا کھانا کھولا۔ ملا نے دوستوں کا کھانا دیکھا تو انھیں بڑی مایوسی

ہوئی۔ وہ لوگ صرف ایک روٹی لے کر چلے تھے
ساتھ میں کوئی سبزی ترکاری بھی نہ تھی جبکہ مُلّا
اپنے ساتھ انڈے پراٹھے لے کر آئے تھے۔ دونوں
نے مُلّا سے کہا۔

"آؤ، ہم سب ایک ساتھ بیٹھ کر کھائیں۔ ساتھ
کھانا کھانے سے برکت ہوتی ہے"

مُلّا نے جواب دیا۔

"آپ لوگوں کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ ساتھ
میں کھانا کھانے سے برکت ہوتی ہے لیکن اب
جبکہ میں آپ لوگوں کا کھانا دیکھ چکا ہوں مجھے
یقین ہے کہ آپ کے کھانے میں تو برکت ہوگی
ہماری کھانے میں کمی ہوجائے گی۔ اس لیے اگر آپ
لوگوں کو ہماری برکت کا خیال نہ ہو تو آپ لوگ ہی کھائیں۔ اس
میں ہمارے کھانے میں بھی برکت ہوجائے گی اور آپ دونوں
کے کھانے میں بھی۔"

پاگل کون ؟

ایک دن مُلّا نے بازار سے چینی کے بہت
سے برتن خریدے۔ دکان دار نے ان کو ایک جگہ
باندھ کر پیکٹ ان کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ یہ خوشی
خوشی گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی تھوڑی دور
ہی گئے ہوں گے کہ پاؤں میں ٹھوکر لگی اور وہ
اوندھے منھ گر پڑے۔ چینی کے برتنوں کا پیکٹ
دُور جا گرا اور سب برتن چُور چُور ہوگئے۔

مُلّا جلدی سے اٹھے اور ٹوٹے ہوئے برتنوں کو
دیکھنے لگے۔ اتنی دیر میں وہاں اچھا خاصا مجمع اکٹھا
ہوگیا۔ مُلّا نے لوگوں کو جمع ہوتے دیکھا تو سخت
ناراض ہوئے اور گرج کر بولے۔

"احمقو! یہاں کس لیے جمع ہو رہے ہو؟ کیا تم
نے پہلے کبھی کسی بیوقوف کو نہیں دیکھا؟"

انشاء اللہ

مُلّا نصرالدین اکثر کنگال رہتے تھے۔ جب کبھی
کوئی آمدنی ہوتی تو دو چار روز کے عیش ہوگئے
ورنہ وہی فاقہ مستی۔ انھیں کافی عرصے سے ایک
قمیص بنانے کا شوق تھا مگر کہیں سے اتنے پیسے
مل نہیں رہے تھے جو شوق پورا کرسکتے۔ چنانچہ
انھوں نے روزانہ کے خرچ سے پیسے بچانا شروع
کر دیے۔ کچھ دنوں کے بعد ان کے پاس اتنے

چنانچہ بیوی نے تھوڑا حلوا چھوڑ کر باقی سب
دوبارہ نکال دیا۔ مُلّا نے اسے بھی کھا لیا۔ رات
کو جب بیوی سو گئی تو مُلّا دبے پاؤں اٹھے
اور نعمت خانہ کھول کر حلوے کی پتیلی دیکھی تو
معلوم ہوا کہ اس میں تھوڑا سا رکھا ہے۔ یوں
نکال کر کھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ واپس اپنے
بستر پر آگئے اور بیوی کو جگا دیا۔

بیوی نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

تو بولے "جلدی اٹھو۔ ایک اہم بات یاد آگئی
ہے۔ وہ سن لو۔ ہو سکتا ہے۔ صبح بھول جاؤں
تمہارے مطلب کی ہے۔"

بیوی نے کہا "بتاؤ! کیا بات ہے؟"

اس پر مُلّا بولے۔

"ایسے تھوڑی بتاؤں گا۔ پہلے مجھے باقی حلوا
لا کر دو۔ وہ کھاؤں گا تب بتاؤں گا۔"

بیوی نے اہم بات سننے کی خاطر باقی حلوا بھی
لا دیا اور مُلّا جلدی جلدی اسے بھی چٹ کر گئے۔

اب بیوی نے پوچھا۔

"تو بتاؤ نا۔ وہ کون سی اہم بات تھی؟"

مُلّا نے جواب دیا۔

"اہم بات یہ تھی کہ اگر دن میں حلوا پکے تو
جب تک سب حلوا کھا کے ختم نہ کرو سونا نہیں
چاہیے۔"

طریقۂ تعلیم

ایک دن مُلّا بازار سے گزر رہے تھے۔ ایک
دُکان پر انہوں نے کچھ آدمیوں کو دسترخوان پر
بیٹھے دیکھا۔ وہ فوراً دُکان میں داخل ہو گئے اور
آدمیوں کو یوں مخاطب کیا۔

"السلام علیکم! اے مردانِ نعیم یعنی صاحبانِ
نعمت!"

آدمی یہ سمجھے کہ مُلّا کہہ رہے ہیں "مردانِ لئیم
یعنی کنجوس لوگ!"

وہ لوگ بڑے ناراض ہوئے ان میں سے ایک
بولا

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔ ہم لوگ ہرگز کنجوس
نہیں ہیں"

مُلّا نے فوراً جواب دیا۔

"معاف کیجیے گا میں نے آپ پر تہمت لگائی جس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ آپ بخیل نہیں ہیں کریم ہیں (یعنی فیاض)"

اس بات پر وہ سب خوش ہوگئے اور انھوں نے مُلّا کو بھی کھانے میں شریک کر لیا۔ مُلّا نے جلدی جلدی کھانا شروع کر دیا اور وہ آدمی بے چارے دیکھتے رہ گئے مگر منہ سے کچھ کہہ نہ سکے۔ مُلّا دو آدمیوں کا کھانا اکیلے کھا گئے اور پانی وانی پی کر فارغ ہوئے تو بولے۔

"میں کھانے کی نیت سے ہرگز نہیں آیا تھا۔ میں تو آپ کو تعلیم دینا چاہتا تھا کہ کریم، بخیل اور نعیم یہ الفاظ ہیں تو ایک جیسے لیکن ہر ایک کے معنے میں کافی فرق ہے"

یہ کہہ کر انھوں نے سب کا شکریہ ادا کیا اور دُکان سے روانہ ہو گئے۔

ڈینگ

ایک مرتبہ گاؤں کے چائے خانے میں کچھ فوجی آکر بیٹھ گئے۔ فوجیوں کو دیکھ کر گاؤں کے بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ اور ان کی باتیں دل چسپی سے سننے لگے۔ فوجی لوگ لڑائیوں کی باتیں اور جن جن علاقوں میں وہ گئے تھے وہاں کے حالات بیان کر رہے تھے۔ گفتگو کے دوران میں ایک سپاہی جو دیکھنے میں دُبلا پتلا نظر آرہا تھا بولا۔

"میرے پاس ایک دو دھاری تلوار تھی۔ میں نے دشمن کے سپاہیوں پر اس سے حملہ کیا۔ ان میں بھگدڑ مچ گئی مگر جو ہماری تلوار کی زد پر آگیا مولی گاجر کی طرح کٹتا چلا گیا۔ اس دن کی فتح کا سہرا ہمارے سر رہا۔"

گاؤں والوں نے اس فوجی کی باتوں پر یقین نہ کیا۔ سب ایک دُوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔ مُلّا نصرالدین بھی انھی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بھلا کب خاموش رہنے والے تھے۔ فوراً اپنی جگہ کھڑے ہو گئے اور بولے۔

"بھائیو! میں تو اب بوڑھا ہوچکا ہوں لیکن جوانی میں، میں نے بھی کئی جنگوں میں حصّہ لیا ہے۔ بڑے بڑے معرکے دیکھے ہیں آپ کی دو دھاری تلوار کا واقعہ سن کر مجھے بھی اپنا ایک قصّہ یاد

آگیا۔ایک مرتبہ میں نے میدانِ جنگ میں پہنچ کر دشمن کے ایک سپاہی کی ٹانگ کاٹ ڈالی!

فوجیوں کے کپتان نے مُلّا کی بات سنی تو بولا۔

"بہت خوب جناب! لیکن کیا اچھا ہوتا اگر آپ اس کی گردن اتار دیتے!؟

مُلّا نے جواب دیا۔

"آپ کا فرمانا بجا ہے لیکن میرے لیے ایسا کرنا ممکن نہ تھا۔"

کپتان نے دریافت کیا "کیوں؟"

مُلّا بولے۔

"سر تو پہلے ہی کسی نے اتار لیا تھا۔

سجدۂ شکر

ایک دفعہ مُلّا اپنے گدھے پر سوار بازار سے گزر رہے تھے۔اچانک زلزلے کا جھٹکا محسوس ہوا مُلّا فوراً اپنے گدھے سے اُترے اور سجدے میں گر پڑے۔کسی راہ گیر نے پوچھ لیا۔

"مُلّا اس میں سجدے کی کیا ضرورت تھی؟"

مُلّا نے جواب دیا۔ بھائی بات یہ ہے کہ میرا گھر نہایت خستہ حالت میں ہے مجھے یقین ہے کہ اس جھٹکے کو وہ سہار نہ سکا ہوگا اور یقیناً اس کی چھت گر گئی ہوگی۔ اگر خدا نخواستہ میں اس مکان میں ہوتا تو ہڈی پسلی کا پتا نہ چلتا۔اب تم ہی بتاؤ کہ میری جان بچ گئی اور میں شکر کا سجدہ بھی نہ بجا لاؤں"

شیر کا شکار

ایک زمانے میں مُلّا بادشاہ کے خاص مُصاحب تھے۔ بادشاہ کو مُلّا کے بغیر کسی کام میں مزہ ہی نہ آتا تھا۔ دربار میں بھی ان کو ساتھ رکھتا اور جب کہیں جاتا تو ہمراہ لے جاتا۔ایک دفعہ بادشاہ نے شیر کے شکار کا پروگرام بنایا مُلّا کو بھی گھر سے بلوا بھیجا۔جب مُلّا کو اس کی خبر ملی تو بہت گھبرائے۔ شکار کی باتیں ہی باتیں سنی تھیں کبھی جانے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔شیر کے شکار کے تصور سے ہی ان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے لیکن بادشاہ کے حکم سے سرتابی کی مجال نہ تھی۔چار و ناچار جانا ہی پڑا۔

جب شکار سے واپسی ہوئی اور اپنے گاؤں پہنچے تو کسی نے پوچھ لیا۔
"کہو بھئی مُلّا! کیسا رہا شیر کا شکار؟"
مُلّا نے جواب دیا "نہایت شاندار!"
گاؤں والے کو بڑی دل چسپی پیدا ہوئی اس نے پھر پوچھا۔
"اچھا! کتنے شیر مارے تم نے؟"
مُلّا نے جواب دیا "ایک بھی نہیں!"
اس نے کہا "کسی کو زخمی بھی کیا"
مُلّا نے جواب دیا "ایک بھی نہیں"
اس نے تعجب سے پوچھا "اچھا کسی کا پیچھا بھی کیا"
مُلّا بولے "نہیں پیچھا بھی نہیں کیا"
اس نے مزید دل چسپی لیتے ہوئے پوچھا۔
"اچھا مُلّا! کوئی شیر نظر بھی آیا شکار کے دوران؟"
"مُلّا نے جواب دیا۔ "ایک بھی نہیں"
اس جواب پر گاؤں والا جھنجلا کر بولا۔
"جب ہر بات کا جواب نہیں ہے تو پھر کیسے کہہ دیا شکار نہایت شاندار رہا"
مُلّا نے جواب دیا۔
"جب تم شیر کا شکار کر رہے ہو تو اس کی تعریف بھی ہے کہ ہر بات کا جواب "نہیں" ہو یقین نہ آئے تو ایک مرتبہ شیر کے شکار پر چلے جاؤ۔"

دُعا کا طریقہ

ایک مرتبہ مُلّا دریا کے کنارے بیٹھ کر وضو کر رہے تھے۔ وضو کے دوران پاؤں دھونے لگے تو ان کا جوتا کھسک کر دریا میں چلا گیا۔ پانی کا بہاؤ تیز تھا۔ جوتا گرتے ہی آگے نکل گیا۔ مُلّا کی ہمت نہ پڑی کہ آگے بڑھ کر اٹھا لیں دوسرا پاؤں دھو کر وہ کھڑے ہی ہوئے تھے کہ ان کی ریح خارج ہوگئی۔
مُلّا کو بڑا صدمہ ہوا لیکن جوتا بہنے کا اس سے زیادہ افسوس تھا۔ انھوں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور خدا سے دُعا مانگی۔
"خدایا! میں اس وقت تک دوبارہ وضو کرکے

نماز نہیں پڑھوں گا جب تک تو میرا جوتا واپس
نہیں دلائے گا۔"

عالم پناہ دونوں

مُلّا نصر الدین شروع سے ہی اپنی بستی میں اہم
مقام رکھتے تھے لیکن شاہی دربار تک ان کی
رسائی نہ ہوئی تھی۔ البتہ جب کوئی چھوٹا بڑا امیر
گاؤں کے دورہ پر آتا تو اس کی مُلاقات مُلّا
سے ضرور کروائی جاتی۔ پہلی بار جب بادشاہ کے
دورہ کی خبر ملی تو مُلّا کو بڑی تشویش ہوئی کہ
بادشاہ سے کیا بات کریں گے اور کس طرح
ملیں گے۔ لیکن بادشاہ کی آمد سے پہلے ایک
ہرکارہ آیا جس نے مُلّا کو بتا دیا کہ بادشاہ تم
سے تین باتیں پوچھیں گے۔ تم ان کے جواب
پہلے سے ذہن میں رکھو اور پوچھنے پر فرفر جواب
دے دینا۔

مُلّا نے پوچھا "کون سی تین باتیں؟"
ہرکارہ نے جواب دیا "بادشاہ پہلا سوال یہ
کریں گے کہ تم اس بستی میں کتنے عرصے
سے رہتے ہو؟
دوسرا سوال ہوگا کہ مُلّا بننے کے لیے تم نے
کتنے سال تعلیم حاصل کی؟ تیسرا سوال وہ یہ
پوچھیں گے کہ کیا تم لوگوں پر لگے ہوئے ٹیکس
اور مذہبی امور کے بارے میں مُطمئن ہو؟ ان
تینوں کا جواب دے دینا۔"

مُلّا نے تینوں سوالوں کے جواب خوب اچھی
طرح رٹ لیے۔ جب بادشاہ سے مُلاقات
ہوئی تو اس نے یہی تینوں سوال پوچھے لیکن
مُلّا کی بدقسمتی کہ اس نے ترتیب بدل دی۔ چنانچہ
بادشاہ کے سوال اور مُلّا کے جواب کچھ اس طرح
ہوئے۔

بادشاہ: آپ نے مُلّا بننے کے لیے کتنا عرصہ
تعلیم حاصل کی
مُلّا: کوئی پینتیس سال۔
بادشاہ: آپ کی عمر کتنی ہے۔
مُلّا: بارہ سال
بادشاہ: یہ ناممکن ہے کہ بارہ سال عمر ہے

اور تعلیم حاصل کی پینتیس سال۔ ہم میں سے
ایک نہ ایک پاگل ضرور ہے"
"ملّا: عالم پناہ دونوں!
بادشاہ: (سخت برہمی کے عالم میں) "تم مجھے
بھی اپنی طرح پاگل کہہ رہے ہو۔ گستاخ کہیں کا"
ملّا: بے شک ہم دونوں ہی پاگل ہیں عالم
پناہ صرف حالات الگ الگ ہیں!"

اپنا اپنا کام

ایک دن ملّا بازار میں ایک چبوترے پر بیٹھے
شطرنج کھیل رہے تھے۔ اچانک ایک آدمی دوڑتا
ہوا ان کے پاس آیا اور کہا۔
"آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔ آپ کا گھر جل
رہا ہے۔ شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں اور
آپ ہیں کہ شطرنج میں لگے پڑے ہیں۔ جلدی
جائیے ورنہ سارا گھر راکھ کا ڈھیر ہوجائے گا"
ملّا نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔
"جائیے اپنا کام کیجیے۔ میرا اور میری بیوی
کا معاہدہ ہوچکا ہے کہ گھر کے تمام کام
انجام دے گی باہر کے کام میں کروں گا۔ گھر
کی آگ بجھانا اس کا کام ہے وہ خود کرے گی
آپ بے فکر رہیں"

بھول

ایک زمانے میں ملّا کی حالت بہت خراب
تھی۔ انھوں نے سوچا کہ چلو کسی رئیس آدمی
سے کچھ روپے قرض لے آئیں۔ یہ سوچ کر
وہ فوراً گاؤں کے سب سے مالدار آدمی کی
کوٹھی پہنچے دروازے پر چوکیدار بیٹھا تھا اس
سے کہا: "جاؤ اپنے مالک سے کہہ دو کہ ملّا
آیا ہے اور مجبوری کے تحت کچھ روپے قرض
لینا چاہتا ہے۔ اگر دے دو تو بڑی مہربانی ہوگی۔
میں جلد ہی واپس کرنے کی کوشش کروں گا"
چوکیدار کوٹھی کے اندر گیا اور تھوڑی دیر بعد منہ لٹکائے
ہوئے واپس آیا اور آکر ملّا سے کہا۔
"مجھے افسوس ہے کہ مالک گھر پر نہیں ہے۔
آپ کسی اور وقت تشریف لائیں"
ملّا نے جواب دیا۔
"بہتر ہے! میں واپس جا رہا ہوں۔ گو مجھے قرض

نہیں مل سکا تاہم میرا ایک مشورہ اس کو ضرور
پہنچا دینا کہ جب کبھی وہ باہر جائے تو
تو اپنا سر کھڑکی پر نہ چھوڑ جایا کرے۔ ہو سکتا
ہے کوئی چور اچکا لے اڑے تو پھر نہ یہ
کوٹھی رہے گی اور نہ چوکیدار۔

سزا کا وقت

ایک دن ملا نے اپنی بیٹی سے گلاس میں
پانی لانے کو کہا اور ساتھ ہی اس کے دو
تھپڑ بھی رسید کر دیے۔
ملا کی بیوی نے پوچھا۔
"لڑکی کو مارنے کی کیا ضرورت تھی۔؟"
ملا نے جواب دیا۔
"میں نے اس لیے سزا دی ہے کہ وہ کہیں
گلاس توڑ نہ دے۔"
بیوی نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔
"جب توڑ دیتی تبھی سزا دیتے پہلے سے
کیوں مارا؟"

ملا بولے۔
"بعد میں مارنے سے کیا فائدہ ہوتا۔ اگر جان
سے بھی مار دیتے تو گلاس تو دوسرا ملتا نہیں!"

قول کے پکے

ایک مرتبہ ملا سے کسی نے پوچھا "آپ کی عمر
کیا ہے؟"
ملا نے جواب دیا۔ "چالیس سال"
اس نے تعجب ظاہر کرتے ہوئے پوچھا "یہی
عمر تو آپ نے دو سال پہلے بھی بتائی تھی؟"
ملا نے جواب دیا۔
"جی ہاں! میں قول کا پکا ہوں۔ جو بات آج
کہوں گا دس سال بعد بھی اس سے نہ ہٹوں
گا۔"

ذرا سی کسر

ایک دن مُلّا ایک شاگرد کے ساتھ ٹہل رہے تھے کہ اچانک ان کی نظر ایک خوب صورت جھیل پر پڑی۔ جھیل میں کنول کھلے ہوئے تھے اور ہوا کے ہلکے جھونکوں سے جھیل کی سطح پر لہریں بنتی جا رہی تھیں۔ کنارے ہرے بھرے درخت لگے تھے۔ مُلّا نے زندگی میں پہلی بار جھیل دیکھی تھی۔ پھر جھیل میں اتنا پیارا منظر بھی دیکھا بہت خوش ہوئے اور بولے۔

"کتنا دلفریب منظر ہے بس ذرا سی کسر ہے"

شاگرد نے پوچھا۔

"مجھے تو کوئی کمی نظر نہیں آتی آپ کے خیال میں کیا کمی ہے؟"

مُلّا نے جواب دیا۔ "کمی نہیں زیادتی ہے"

شاگرد نے پھر پوچھا "کس چیز کی زیادتی مُلّا جی!"

مُلّا نے جواب دیا۔

"یہی کہ اگر جھیل میں پانی نہ ڈالتے تو منظر اور زیادہ خوب صورت ہوتا۔ پانی ڈال کر اس کے حسن کو خراب کر دیا۔"

- آغا خان
- امام رازی
- ابنِ عربی
- امام ابنِ تیمیہ
- البیرونی
- امیر تیمور
- امام غزالی
- اکبرِ اعظم
- اکبرِ اعظم کے نو رتن
- اورنگ زیب عالمگیر
- امیر خسرو
- بُلھے شاہ
- بابا فرید گنج شکرؒ
- جہانگیر
- چاند بی بی
- حضرت امام حسینؓ
- حضرت عثمانؓ
- حضرت عُمر فارُوقؓ
- حضرت علاؤالدین صابر
- حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ
- حضرت عائشہؓ
- حضرت عیسیٰؑ
- حضرت مُوسیٰؑ
- حضرت علیؓ
- حضرت ابوبکر صدیقؓ
- حیدر علی
- خواجہ معین الدین چشتیؒ
- خالد بن ولید
- داتا گنج بخشؒ
- رضیہ سُلطانہ
- زرتشت
- سلیمان اعظم
- سُلطان محمد فاتح
- سر سید احمد خان
- سید احمد شہید
- سید امیر علی
- سُلطان ٹیپو
- سراج الدولہ
- شاہ ولی اللہ
- شیر شاہ سُوری
- شاہ عبدُاللطیف بھٹائی
- شاہ جہاں
- صدر ایوب
- صلاح الدین ایوبی
- طارق بن زیاد
- ظہیرُ الدین بابر
- عُمر بن عبدُالعزیز
- علاؤالدین خلجی
- غوثِ اعظمؒ
- کمال اتاتُرک
- قائدِ اعظم محمد علی جناح
- مولانا احمد رضا خان
- مجددِ الف ثانیؒ
- مولانا رُوم
- محترمہ فاطمہ جناح
- مہاتما بُدھ
- محمد بن قاسم
- محمود غزنوی
- نُور جہاں
- وقارُ الملک
- وارث شاہ
- ہارون رشید
- یاجوج ماجوج

GLOBAL ZEBRA.blogspot.com
ملّا نصرالدین کے لطیفے
3

مُلّا نصرالدین کے لطیفے

(تیسرا حصہ)

سید سعید احمد
ایم۔اے، ایم۔ایس۔سی

فیروز سنز بک کارپوریشن لمیٹیڈ
لاہور — راولپنڈی — ملتان — پشاور — حیدرآباد — کراچی

احسان کی حد

ایک دفعہ کا ذکر ہے، مُلا نصرالدین ایک حوض کے کنارے کھڑے تھے اور بڑی دل چسپی سے تیرنے والوں کو دیکھ رہے تھے کہ اچانک اُن کا پیر پھسل گیا۔ ممکن تھا کہ وہ حوض میں جا گرتے لیکن خوش قسمتی سے قریب ہی کھڑے ہوئے ایک آدمی نے اُن کو سنبھال لیا اور وہ گرنے سے بچ گئے۔ مُلا نے اس شخص کا شکریہ ادا کیا اور گھر کی راہ لی۔

کئی دن کے بعد وہی آدمی پھر مُلا کو نظر آیا۔ مُلا لپک کر اس سے ملے۔ حوض والے واقعہ کا ذکر چل نکلا۔ مُلا نے شکریہ ادا کیا اور اپنی راہ لی۔ بات یہیں پر ختم نہ ہوئی۔ اس آدمی نے اپنا یہ طریقہ بنا لیا کہ جب مُلا سے ملتا اپنا احسان جتاتا۔ مُلا بے چارے خاموش ہو جاتے اور اس کا احسان مانتے تب جا کر گلو خلاصی ہوتی۔

پہلی بار 1973ء
تعداد 3000
قیمت 1.00

مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور، باہتمام عبدالحمید خاں پرنٹر و پبلشر

جب یہ سلسلہ کافی طول کھینچتا گیا تو مُلّا کو
سخت غصّہ آیا۔ ایک دِن انھوں نے اس آدمی
کو پکڑا اور اپنے ساتھ زبردستی حوض پر لے گئے
وہاں پہنچ کر وہ اچانک حوض میں کُود گئے۔ پانی
ان کی گردن تک تھا۔ اب مُلّا وہیں سے بولے
"دیکھیے جناب! میں آپ کا احسان سُن سُن کر
تنگ آ چکا ہوں اب آیندہ اپنا احسان نہ
جتائیے گا۔ کیوں کہ میں اس دِن کے بدلے آج
یہاں کُود گیا ہوں۔ اگر اُس دن بھی پیر پھسلنے سے
حوض میں گرتا تو اِتنا ہی بھیگتا جتنا آج بھیگا
ہوں۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہ ہوتا۔ آپ اپنا
احسان اپنے پاس رکھیے ۔۔۔!" یہ کہہ کر مُلّا حوض
سے نکلے اور بھیگے کپڑوں ہی میں گھر روانہ ہو
گئے۔

وقت وقت کی بات

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین غسل کرنے کے لیے ایک
تُرکستانی حمام میں گئے۔ حمام نہایت شان دار تھا۔
سنگِ مرمر کے فرش تھے اور مُلازمین بھی اچھے صاف
ستھرے لباس میں تھے۔ اتفاق سے مُلّا نصرالدین کا
حُلیہ بہت ہی خراب تھا، کپڑے میلے کچیلے تھے
چہرہ گرد میں اٹا ہُوا تھا۔ حمام کے مُلازمین یہ سمجھے
کہ کوئی غریب آدمی آیا ہے۔ انھوں نے کوئی
خاص توجہ نہ دی۔ ایک پھٹا پُرانا تولیہ پکڑا دیا
اور دیسی صابن کا ایک ٹکڑا دے کر سب سے
خراب حمام میں جانے کا اِشارہ کر دیا۔

مُلّا کو طیش تو بہت آیا لیکن زبان سے اپنی
تعریف میں کچھ نہ کہہ سکے۔ چپکے سے بتائے ہُوئے
حمام میں جا کر نہائے۔ پھر باہر نکل کر حمام کے
ہر مُلازم کو ایک ایک اشرفی دی اور اپنے گھر
کی راہ لی۔ مُلازمین نے جو اشرفیاں دیکھیں تو بہت
پچھتائے اور سوچنے لگے کہ اِتنی خراب خدمت پر
بڑے میاں نے ایک ایک اشرفی دی اگر باقاعدہ
کام کیا ہوتا تو خُدا جانے کیا مِل جاتا۔ لیکن
اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چُگ گئیں
کھیت۔

کچھ عرصے کے بعد مُلّا پھر اسی حمام میں پہنچے۔
مُلازمین انھیں دیکھتے ہی پہچان گئے۔ سب نے باری

باری جھک جھک کر سلام کیا۔ خیرو عافیت پوچھی
اس کے بعد ملّا کے لیے نیا تولیہ نکالا اور خوشبودار
صابن کی ایک نئی بٹّی بھی حمام میں رکھی۔ ایک
ملازم اُن کو ساتھ لے کر حمام تک گیا۔ جب
وہ غسل سے فارغ ہوئے تو ان کے سر پر تیل
کی مالش کی گئی۔ ہاتھ پاؤں دبائے اور پھر بڑے
ادب سے رخصت کیا۔ ملّا نے چلتے وقت ہر ملازم
کے ہاتھ میں ایک ایک پیسہ رکھ دیا۔ ملازمین
تو بڑے انعام کی امید میں تھے۔ پیسہ دیکھ کر
پریشان ہوئے اور ملّا کی طرف دیکھنے لگے۔ ملّا
پہلے سے اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کو تیار
تھے۔ جھٹ بولے:

"پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ میں نے جو کچھ
آپ لوگوں کو دیا ہے وہ آج کی اجرت ہرگز
نہیں ہے۔ یہ تو آج سے پہلے جب میں آیا تھا
اُس دن کی مزدوری ہے۔ رہ گیا آج کا کام سو
اس کی اجرت میں پہلے روز ادا کر گیا تھا۔"

یہ سن کر تمام ملازمین ہکّا بکّا رہ گئے۔ ملّا
اطمینان سے دکان سے باہر آ گئے۔

بحث و تکرار

ایک دن ملّا نصرالدّین اور اُن کی بیوی میں
رات کے وقت صدر دروازے کی کنڈی لگانے
پر بحث ہو گئی۔ ملّا کہتے تھے کہ روزانہ میں کنڈی
لگاتا ہوں آج ہرگز نہ لگاؤں گا۔ بیوی کا کہنا
تھا کہ یہ غلط ہے، کنڈی میں لگاتی ہوں۔ کافی دیر
تک تکرار ہونے کے بعد اس پر اتفاق ہوا کہ
آج وہ کنڈی لگائے گا جو پہلے بولے گا۔ یہ کہہ
کر دونوں چپ ہو گئے اور ایک دوسرے کی زبان
کھلنے کا انتظار کرنے لگے۔

اسی خاموشی کے عالم میں کافی رات ہو گئی۔
بیوی نے رات کا کھانا دستر خوان پر چنا۔ دونوں
میاں بیوی دستر خوان پر بیٹھ گئے۔ وہ کھانا شروع
کرنے ہی کو تھے کہ اچانک کسی فقیر نے دروازے
پر صدا دی۔ دونوں میں سے کوئی نہ بولا۔ فقیر
نے جو دروازہ کھلا پایا تو آہستہ سے مکان میں داخل
ہو گیا اور ان لوگوں کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ یہ
لوگ اس پر بھی کچھ نہ بولے۔ فقیر کی کچھ سمجھ

میں نہ آیا کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے؟ وہ کچھ دیر تک بڑے سکون سے دیکھتا رہا لیکن بعد میں اپنی بھوک پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس نے چپکے سے سالن روٹی اپنی طرف کھینچی اور کھانا شروع کر دیا۔ مُلّا اور ان کی بیوی دیکھتے رہے لیکن منھ سے کچھ نہ بولے۔ انھیں کنڈی لگانے سے بڑھ کر اپنی بات خراب ہونے کا ڈر تھا۔

فقیر دھیرے دھیرے سب کھانا چٹ کر گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ اب بھی دونوں میاں بیوی چُپ چاپ بیٹھے ہیں تو اس کو شرارت سوجھی۔ اس نے بچی کھچی ہڈیوں کا ہار بنایا اور مُلّا کے گلے میں ڈال کر گھر سے باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی ایک کُتا گھس آیا۔ کتّے نے آتے ہی مُلّا کے گلے میں پڑی ہوئی ہڈیوں پر منھ مارا اور ایک ہڈی منھ میں دبا کر باہر نکلنا چاہا۔ مُلّا کو ڈر لگا کہ کہیں کُتا خود مجھے ہی نہ زخمی کر دے اس لیے وہ کتّے کے ساتھ ساتھ گھر سے باہر نکل آئے۔ اب تو بیوی سے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ یک دم چلّائی:

"اے خدا کے بندے! اب تو لوٹ آؤ۔ کنڈی نہیں لگانا ہے تو نہ لگاؤ۔"

بیوی کی آواز سُن کر مُلّا کی جان میں جان آئی۔ ہڈی کی مالا گلے سے اُتار پھینکی اور ڈنڈا اُٹھا کر کتّے کو مار بھگایا۔ پھر بیوی سے بولے:

"دیکھا، کس کی جیت ہوئی؟ یہ سچ ہے کہ مرد ہمیشہ عورت پر حاوی رہتا ہے۔ اب جاؤ اور خاموشی سے کنڈی لگا کر آؤ۔"

رمضان کا چاند

رمضان کا مہینہ تھا۔ روزہ کھولنے کے بعد مُلّا نصرالدین کسی کام سے بازار کی طرف نکل گئے۔ راستے میں ایک کنواں ملا۔ اتفاق سے مُلّا کی نظر کنویں کے اندر پہنچ گئی۔ اس میں چاند کا عکس نظر آ رہا تھا۔ مُلّا کو بڑی تشویش ہوئی۔ وہ سوچنے لگے کہ غالباً چاند کنویں میں گر گیا ہے۔ اس کو فوراً نکال لینا چاہیے کیوں کہ اگر یہ یہیں ڈوبا رہا تو رمضان کا مہینہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ پھر بھاری بڑی مصیبت ہو گی کیوں کہ ساری زندگی روزہ رکھتے ہی گزرے گی۔ یہ خیال آتے ہی وہ

دوڑے ہوئے گھر گئے اور ایک لمبی رسی لے کر
کنویں کے پاس پہنچ گئے۔
یہاں پہنچ کر انھوں نے رسی کنویں میں ڈال اور
آواز دے کر کہا :
"اے میاں چاند! رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو۔
اسی میں تمھاری زندگی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمھاری
چمک دمک ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے۔
اتفاق کی بات رسی کا سرا کسی چٹان میں پھنس گیا
اب ملّا نے رسی کو کھینچنا شروع کیا۔ رسی اپنی
جگہ سے نہ ہلی۔ ملّا سمجھے کہ چاند بہت وزنی ہے
اس لیے مجھ سے نہیں کھنچ رہا ہے۔ چنانچہ انھوں
نے پوری قوت سے کھینچنے کی کوشش کی۔ اس
تگ و دو میں رسی چٹان سے نکل گئی۔ ملّا جو
پوری قوت سے اس کو کھینچ رہے تھے پیچھے کی
طرف دھڑام سے گر پڑے۔ کافی چوٹ آئی لیکن
جب آسمان پر نظر گئی تو ان کی خوشی کی کوئی
انتہا نہ رہی۔ چاند اپنی پوری آب و تاب سے
آسمان پر چمک رہا تھا۔ وہ اپنے آپ سے بولے:
"اللہ کا شکر ہے میری محنت کام آ گئی۔ میں
زمین پر تو گرا لیکن چاند کو آسمان پر پہنچا کے رہا۔

چوری کی وجہ

ایک دن کا ذکر ہے ملّا نصیرالدین کی جیب بالکل
خالی تھی۔ کھانا پکانے کے لیے گوشت ترکاری کے
بھی پیسے نہ تھے۔ جب انھیں پیسوں کے حصول
کی کوئی ترکیب سمجھ میں نہ آئی تو انھوں نے چوری
کی ٹھانی۔ گھر کے نزدیک ہی ایک صاحب کے
باغ میں سبزیاں لگی ہوئی تھیں۔ ملّا اس باغ میں
پہنچ گئے اور جس قدر سبزیاں توڑ سکتے تھے توڑ
لیں اور تھیلے میں بھر کے گھر کی طرف چل دیے
اتفاق کی بات، باغ کا مالی ملّا کو دیکھ رہا تھا۔
وہ لپک کر ملّا کے قریب آیا اور ان سے پوچھا:
"کیوں جناب آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"
ملّا نے جواب دیا:
"محترم! آج زبردست آندھی آئی تھی، مجھ کو
اڑا کر یہاں لے آئی۔ میں خود تو یہاں نہیں آیا
ہوں۔"
"مگر سبزیاں کس نے توڑیں؟" مالی نے پوچھا۔

"میں نے آندھی سے بچنے کے لیے ان کو پکڑ لیا تھا۔ وہ ٹوٹ کر ہاتھ میں آ گئیں۔" مُلا نے جواب دیا۔

"لیکن وہ آپ کے تھیلے میں کیسے پہنچ گئیں؟" مالی نے پھر پوچھا۔

"اس کے بارے میں مجھے خود بھی بڑا تعجب ہے۔ میں یہاں کھڑا یہی سوچ رہا تھا کہ ترکاری تھیلے میں کیوں کر پہنچ گئی! اسی دوران آپ آ گئے۔"

اہمیت

ایک مرتبہ مُلا نصرالدین کافی عرصے کے لیے گاؤں سے باہر چلے گئے۔ جب اُن کی واپسی ہُوئی تو انھوں نے دیکھا کہ گاؤں کا بچہ بچہ بازار کی طرف بھاگ رہا ہے۔ انھیں بڑا تعجب ہُوا آخر کار ایک آدمی کو روک کر پوچھ ہی لیا کہ کیا ماجرا ہے؟ راہ گیر نے جواب دیا:

"تعجب ہے تمھیں خبر نہیں —! ارے بھائی ایک آدمی حج کر گیا تھا۔ وہ آج ہی واپس آیا ہے اس کا کہنا ہے کہ اس سال ایک لاکھ مسلمانوں نے اس کے ساتھ حج کیا۔ چنانچہ اپنے حج کی باتیں تمام گاؤں والوں کو بتلانے والا ہے۔ ہم لوگ وہیں جا رہے ہیں۔"

مُلا نے جو یہ جواب سُنا تو ان کو اور بھی حیرت ہُوئی وہ بے ساختہ بولے:

"میں تو سمجھا کہ وہ آدمی کعبہ شریف نہیں گیا تھا۔ کعبہ شریف خُود اس حاجی کی زیارت کے لیے آیا تھا۔ جبھی تو اتنی خلقت بھاگی چلی جا رہی ہے۔"

بزرگانہ شان

ایک دفعہ مُلا نصرالدین بحری جہاز پر سفر کر رہے تھے۔ اچانک سمندر میں طوفان آ گیا۔ جہاز ہچکولے کھانے لگا۔ مُلا طوفان آنے سے پہلے بہت دیر سے دُوسرے مسافروں کو ڈرا رہے تھے کہ طوفان آنے والا ہے۔ ہوشیار بیٹھو۔ جب سچ مچ طوفان آیا تو مُسافروں کو مُلا کی بزرگی کا قائل ہونا پڑا۔ وہ سب اُن کے قدموں میں گر پڑے

اور گڑگڑا کر اِلتجا کرنے لگے کہ خدا را ہمیں طوفان سے بچائیے۔

مُلّا نے جب دُوسروں کو اپنا مُعتقد پایا تو سینہ تان کر کھڑے ہو گئے اور بولے "اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ تم لوگوں نے پہلے میری بات کا کوئی خیال نہ کیا اور اپنی رنگ رلیوں میں پڑے رہے۔ اب مزہ چکھو۔ یاد رکھو اس طوفان سے تمھیں کوئی نہیں بچا سکتا۔"

مُسافروں نے جب مُلّا کو راضی ہوتے نہ دیکھا تو بولے کہ اگر ہم لوگ بچ گئے تو آپ کو اتنا اِنعام و اِکرام دیں گے کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔

اِسی اثنا میں جہاز طوفان کی زد سے باہر نکل گیا۔

مُلّا نے مُسافروں کو مُخاطب کیا اور بولے:

"دوستو! تم لوگ بڑے فضول خرچ واقع ہوئے ہو۔ اِسی فضول خرچی کی وجہ سے تمھیں مُصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آیندہ فضول خرچی سے پرہیز کرنا۔ مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے۔ جاؤ اللہ نے تمھیں بچا لیا ہے — عنقریب تم لوگ ساحل پر ہو گے۔"

پانچواں شوہر

مُلّا نصرُالدّین نے جس عورت سے شادی کی تھی وہ بیوہ تھی۔ اس کے تین شوہر ایک کے بعد ایک مر چکے تھے۔ مُلّا چوتھے شوہر تھے۔ ایک دفعہ وہ سخت بیمار پڑ گئے۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ بیوی کو جب معلوم ہُوا کہ مُلّا کے بچنے کی کوئی اُمید نہیں ہے تو وہ رونے لگی اور اس کے سرہانے بیٹھ کر بولی:

"ہائے میں کیا کروں؟ تم مجھے کس کے سپُرد کیے جا رہے ہو؟"

مُلّا نے فوراً جواب دیا "پانچویں شوہر کے!"

اِتنا بے وقوف نہیں

مُلّا نصرُالدّین اپنے گھر کا تمام سودا سُلف خُود ہی لاتے تھے۔ ایک دِن وہ گیہوں خریدنے گئے۔ دُکان پر پہنچ کر گیہوں کی بوریوں کا بغور مُعاینہ کیا اور پھر ایک بوری پسند کر کے خرید لی۔ دُکان دار گیہوں تول کر دُوسرے گاہکوں سے بات کرنے لگا

ملّا نے موقع غنیمت جانا اور مٹھی میں گیہوں بھر کر
جلدی جلدی اپنی بوری میں ڈالنے لگے۔ دکان دار
نے دیکھ لیا۔ اس نے ملّا کو پکڑ کے عدالت میں
پیش کیا۔ قاضی نے ملّا سے سوال کیا:
"تم نے دکان کی بوری سے گیہوں نکال کر اپنی
بوری میں کیوں ڈالے؟"
ملّا نے جواب دیا "حضور! میں بے وقوف آدمی
ہوں۔ اپنے اور دکان دار کے گیہوں میں تمیز نہ کر
سکا۔ ان کو بھی اپنا ہی سمجھ کر اپنی بوری میں ڈالنے
لگا۔"
قاضی نے تعجب سے پوچھا "جب تم بے وقوف
تھے تو یہ بھی تو کر سکتے تھے کہ اپنے گیہوں
دکان دار کی بوری میں ڈال دیتے!"
ملّا نے جواب دیا "عالی جاہ میں بے وقوف
ضرور ہوں لیکن اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ اپنی
چیز بھی نہ پہچان سکوں۔"

اندھا کیا چاہے؟

ایک دن ملّا نصرالدین کا اپنی بیوی سے کسی
بات پر جھگڑا ہو گیا۔ کافی دیر تک تُو تُو میں میں
ہوتی رہی۔ اچانک ملّا کا غصّہ تیز ہو گیا۔ وہ زور
زور سے گرجنے لگے۔ پھر اپنی جگہ سے اُٹھے اور
بیوی کی طرف لپکے۔ بیوی بے چاری یہ سمجھی کہ
ملّا مجھے مارنے آ رہے ہیں۔ چنانچہ وہ خوف زدہ
ہو کر گھر سے نکل گئی اور قریب کے ایک مکان
میں گھس گئی۔ اس مکان میں شادی کا ہنگامہ تھا
بارات آ چکی تھی۔ کھانا کھلانے کا انتظام ہو رہا
تھا۔ جونہی بیوی اس گھر میں داخل ہوئی پیچھے پیچھے
ملّا بھی پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر بھی ان کا غصّہ
ٹھنڈا نہ ہوا۔ خوب زور سے چیختے رہے۔ پڑوسیوں
کو بڑی شرمندگی ہوئی۔ انھوں نے ملّا سے بڑی
منت سماجت کی کہ خاموش ہو جائیے لیکن جتنا
انھیں سمجھایا گیا ان کا پارہ اتنا ہی چڑھتا گیا۔
اب دوسرے مہمانوں نے بھی ملّا کو سمجھانا شروع
کیا اور ان سے کھانا کھانے کی بھی درخواست کی۔
کھانے کا نام سن کر ان کا غصّہ کافور ہو گیا۔
جھٹ ہاتھ دھو کر دستر خوان پر بیٹھ گئے۔ اُدھر
بیوی بھی عورتوں میں کھانا کھانے بیٹھ گئی۔ دونوں

نے خوب پیٹ بھر کے کھانا کھایا۔ جب گھر واپس
آئے تو مُلّا نے بیوی سے کہا:
"بیگم! آج میں تم کو مان گیا۔ اب تو تم اکثر
میرا غصّہ تیز کر دیا کرو۔ زندگی دراصل اِسی کا
نام ہے۔"

مُنافع خور

ایک دن مُلّا نصرُالدّین نے کئی درجن انڈے
خریدے اور انھیں لے کر بازار میں کھڑے ہو گئے
تھوڑی دیر میں انھوں نے تمام انڈے کم قیمت پر
بیچ دیے۔ کِسی دوست نے پُوچھ لیا:
"کیوں مُلّا! یہ کیا عقل مندی ہے۔ زیادہ پیسوں
میں انڈے خرید کر کم پیسوں میں کیوں بیچ دیے؟"
"اب تو کوئی مجھے منافع خور نہ کہہ سکے گا!"
مُلّا نے برجستہ جواب دیا۔

پانی کی بدتمیزی

ایک مُلّا نصرُالدّین کہیں سڑک سے گزر رہے تھے
اچانک انھیں پیاس لگی۔ اُنھوں نے چاروں طرف
نگاہ دوڑائی تاکہ کہیں پانی مل جائے۔ اِتّفاق سے
اسی سڑک کے کنارے ایک نلکا لگا تھا جس
میں ٹونٹی نہیں تھی۔ ٹونٹی کی جگہ کِسی نے لکڑی کا
ڈنڈا ٹھونس دیا تھا۔ مُلّا بڑے خوش ہوئے اور
نلکے کے پاس پہنچ کر لکڑی کو باہر کھینچ لیا۔
پانی اتنی تیزی سے باہر نکلا کہ مُلّا گھبرا گئے۔ اُن
کے تمام کپڑے پانی سے بھیگ گئے۔ پانی پینا تو
ایک طرف رہا وہ بھاگ کے دُوسری طرف کھڑے
ہو گئے اور وہیں سے گرج کر بولے:
"اوہو! تو یہ بات ہے — ! اسی لیے تمھارے
مُنھ میں لکڑی ٹھونسی گئی تھی۔ لیکن افسوس! اب
بھی تمھیں تمیز نہ آئی۔ اب تو اپنی بدتمیزی سے
باز آ جاؤ —!"

مُجرم کون

ایک دفعہ مُلّا نصرالدین اپنی بیوی کے ساتھ کِسی
عزیز کے گھر گئے۔ عزیز کے اصرار پر وہ دونوں
ایک رات وہیں رہ گئے اور دُوسرے دن صبح
اپنے گھر لوٹے۔ یہاں آکر دیکھا کہ گھر میں چوری

ہو گئی ہے۔ چور تنکا تنکا اُٹھا کر لے گئے۔ میاں
بیوی سخت رنجیدہ ہُوئے۔ مُلا کی سمجھ میں نہ آیا
کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ وہ سیدھے محلّوں والوں
کے پاس گئے اور انھیں چوری کا حال بتایا۔ چنانچہ
سارے محلّے والے ان کے گھر پر اکٹھے ہو گئے
اور اپنی اپنی کہنا شروع کی۔ ایک بولا "آپ نے
دروازے پر تالا تو ڈال دیا لیکن کھڑکیاں بند کرنی
کیوں بھول گئے؟"

دُوسرا بولا "آپ کو پُوری احتیاط رکھنی چاہیے
تھی۔ آپ نے یہ کیوں سمجھ رکھا تھا کہ آپ کے
گھر میں چوری نہیں ہو سکتی؟"

تیسرا بولا "آپ کے تالے بھی تو خراب ہیں۔
آپ کو آج تک انھیں تبدیل کرنے کا کیوں خیال
نہ پیدا ہُوا؟"

بیوی بولی "یہ سب تمھاری خطا ہے۔ تمھیں گھر
سے باہر قدم نکالتے وقت یہ اطمینان کر لینا
چاہیے تھا کہ سب دروازوں پر باقاعدہ تالے
پڑے ہیں۔"

مُلا جو خاموش کھڑے سب کی باتیں سُن رہے
تھے۔ مزید تاب نہ لاتے ہُوئے بول پڑے:
"بھائیو میری بھی تو سُنو! صرف میں ہی تو
اکیلا خطا کار نہیں ہُوں۔"

سب لوگوں نے جواب دیا "تو پھر ہم کس کو
ذمہ وار ٹھہرائیں؟"

مُلا نے جواب دیا "چوروں کے بارے میں
آپ لوگوں کا کیا خیال ہے۔؟"

پُرانا گُڑ

ایک دن مُلا نصرالدین کے پاس ایک مریض آیا
اور اُن سے کہا:
"سُنا ہے آپ کے پاس تیس برس پُرانا گُڑ موجود
ہے۔ میں ایک بیمار آدمی ہُوں۔ دوا بنانے کے
لیے تھوڑا سا گُڑ مجھے درکار ہے۔ اگر آپ دے
دیں تو بڑی مہربانی ہو گی۔"

مُلا نے جواب دیا "آپ نے سُنا تو ٹھیک ہی
ہے۔ واقعی میرے پاس تیس سال پُرانا گُڑ موجود
ہے۔ لیکن آپ یہ تو بتائیں کہ اگر میں اس طرح
تھوڑا تھوڑا گُڑ دیتا رہتا تو آج میرے پاس تیس

سال پُرانا گُڑ کہاں سے موجود ہوتا !"

مُلّا کی چالاکی

ایک دفعہ کا ذکر ہے مُلّا نصر الدّین کی بہت قیمتی پگڑی چوری ہو گئی۔ مُلّا کے پاس وہی پگڑی سب سے اچھی تھی۔ انھیں اس کے کھونے کا بڑا افسوس ہُوا۔ بہت تلاش کی لیکن سُراغ نہ مل سکا۔ بالآخر انھوں نے اعلان کر دیا کہ جو کوئی ان کی پگڑی ڈھونڈ کر لائے گا اُسے وہ ایک دینار انعام میں دیں گے۔

اس انعام کا اعلان سُن کر مُلّا کے ایک دوست کو بڑی ہنسی آئی۔ اس نے مُلّا سے پُوچھا:

"جس کو سو دینار قیمت کی پگڑی مل جائے، وہ ایک دینار کے انعام کے لالچ میں کیوں آئے گا؟ انعام کی رقم میں کچھ اضافہ کرو تاکہ لوگوں کا اشتیاق بڑھے۔"

مُلّا نے جواب دیا:

"جس مسئلے کی طرف آپ اشارہ کر رہے ہیں وہ میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا۔ اسی لیے میں نے انعام کے اعلان میں یہ نہیں کہا کہ میری نہایت بیش قیمت پگڑی کھوئی ہے۔ میں نے تو یہ بتایا ہے کہ ایک پُرانی اور ردّی پگڑی کھو گئی ہے۔ اس میں اور عمدہ پگڑی میں کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اسی لیے انعام بھی ہلکا ہے۔ اب کہو تم چالاک ہو یا میں ــــ؟"

چاند یا سُورج

ایک دِن مُلّا نصر الدّین اچانک ہوٹل میں وارد ہُوئے اور وہاں بیٹھے ہُوئے لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگے:

"بہت دِنوں تک سوچنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہُوں کہ سُورج سے زیادہ چاند فائدہ مند ہے۔"

ایک آدمی نے اُٹھ کر پُوچھا "مُلّا! اس کی وجہ؟ آج تک تو ہم یہی سُنتے آئے تھے کہ سُورج نہ ہو تو زندگی ناممکن ہے۔ آج آپ چاند کی حمایت کر رہے ہیں۔"

مُلّا نے جواب دیا "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ لیکن

میں نے بھی یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہے۔ لیجیے
آپ بھی سُنیے : رات کے وقت اِنسان کو روشنی کی
زیادہ ضرورت ہوتی ہے بمقابلہ دِن کے۔ اس لیے
چاند زیادہ فائدہ مند ہے !"

میرا آدھا

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین اپنے کسی دوست کے
ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں دونوں کو پیاس
لگی، سوچا کسی ہوٹل میں جا کر پانی پی لیں۔ چنانچہ
نزدیک کے ہوٹل میں داخل ہو گئے۔ وہاں پہنچ
کر پانی پیا۔ ہوٹل پر ایک طرف دُودھ کا کڑھاؤ
بھی چڑھا ہُوا تھا۔ دُودھ دیکھ کر مُلّا کے مُنھ میں
پانی بھر آیا۔ دونوں نے طے کیا کہ ایک گلاس
دُودھ بھی پی لیا جائے۔

جب دُودھ کا گلاس سامنے آیا تو دونوں میں
تکرار شروع ہو گئی کہ پہلے میں پیوں گا۔ دونوں آدھا
گلاس دُودھ پینا چاہتے تھے۔ مُلّا کے دوست کے
پاس تھوڑی سی شکر بھی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ مُلّا
اپنے حصّے کا آدھا دُودھ پی لیں تاکہ باقی دُودھ
میں شکر ڈال کر وہ خود پی لے۔ شکر اتنی ہی تھی
کہ آدھا گلاس دُودھ میٹھا ہو سکتا تھا۔ مُلّا نے
جو شکر دیکھی تو اپنے دوست کے پیچھے پڑ گئے۔
"شکر تمام دُودھ میں ڈال دی جائے اور پھر
آدھا آدھا گلاس دونوں پی لیں۔"

دوست راضی نہ ہُوا۔ مُلّا کو بڑا طیش آیا۔ وہ
سیدھے ہوٹل کے مالک کے پاس پہنچے اور وہاں سے
ایک تھیلی نمک خرید لائے۔ پھر انھوں نے
اپنے دوست سے کہا :

"میں نمکین دُودھ پینا چاہتا ہُوں اس لیے میں
نمک مِلا کر پہلے خود پی لوں گا جیسا کہ پہلے بھی
دونوں کے درمیان سمجھوتا ہو چکا ہے۔ دُوسرا آدھا
تم پی لینا۔"

شدید غم

ایک دن اچانک صُبح کے وقت مُلّا نصرالدین
کے رونے پیٹنے اور آہ و بکا کی آوازیں آنے لگیں
پڑوسی کو بڑی تشویش ہُوئی۔ وہ سیدھا مُلّا کے
دروازے پر پہنچا اور ان کو آواز دی۔ وہ رُومال

سے آنسوؤں کو پونچھتے اور ہچکیاں لیتے ہوئے باہر
آئے۔ پھر پڑوسی کو دیکھ کر اس سے لپٹ گئے اور
خوب جی بھر کے روئے۔ پڑوسی نے انھیں دلاسا
دیتے ہوئے رونے کی وجہ پوچھی تو مُلّا نے جواب
دیا

"ارے میرے بھائی! تمھیں اب تک یہی خبر
نہیں کہ میری بیوی کی طبیعت بہت خراب ہے"
پڑوسی بولا "اچھا تو آپ کی بیوی بیمار ہے۔
میں سمجھ رہا تھا کہ آپ کا گدھا بیمار پڑ گیا ہے"
مُلّا نے پڑوسی کی بات سن کر اور زور زور سے
رونا شروع کر دیا اور بولے:

"ہاں بھائی تم ٹھیک کہتے ہو۔ میرا گدھا ہی
تو بیمار ہے لیکن میں اتنا بڑا دھکا برداشت نہیں
کر سکتا تھا اس لیے میں اتنی بری خبر کو آہستہ
آہستہ سننا چاہتا ہوں۔ اگر ایک دم گدھے کی
بیماری سن لیتا تو میرے دل کی حرکت بند ہو جاتی
اس لیے میں نے پہلے یہ محسوس کیا کہ میری بیوی
بیمار ہے۔ اس کے بعد گدھے کی بیماری کا یقین
کیا"

مُساوات

ایک دن گاؤں میں ایک فلسفی کا گزر ہوا۔ کچھ
لوگوں نے فلسفی کو گھیر لیا اور اپنے ساتھ چلنے کو
کہا۔ فلسفی نے لوگوں کا اشتیاق دیکھ کر ان کی
دعوت قبول کر لی اور ان کے ساتھ چلا گیا۔ اُسے
ایک مکان کے صحن میں لے جا کر بٹھایا گیا۔ باقی
لوگ اس کے گرد گھیرا باندھ کر بیٹھ گئے اور توجہ
سے اس کی باتیں سننے لگے۔ گفتگو کے دوران
فلسفی نے کہا "جو کچھ انسان کو میسر ہو اُسے
آپس میں برابر برابر بانٹ کر استعمال کرنا چاہیے"
ایک شخص نے فلسفی کے اس خیال کے بارے
میں کہا:

"آپ کا کہنا بالکل صحیح ہے لیکن عملی طور پر
ایسی مساوات ناممکن ہے"
فلسفی نے پوچھا:

"میرے خیال پر اعتراض کرنے سے پہلے یہ
بتائیے کہ کبھی آپ نے اس اصول کو عملی زندگی میں
اپنایا بھی ہے ___؟ یا یونہی صرف بحث برائے بحث

کر رہے ہیں ؟"
مُلّا نصرالدین بھی انہی لوگوں میں بیٹھے فلسفی کی
باتیں بغور سُن رہے تھے ۔ وہ اس بحث پر کہاں
چُپ بیٹھنے والے تھے ۔ جھٹ بولے :
"جی ہاں میں نے تجربہ کیا ہے ۔ میرا رویّہ اپنی
بیوی اور اپنے گدھے کے ساتھ بالکل ایک جیسا
ہے ۔ میں دونوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتا ہُوں۔"
فلسفی نے جب یہ جواب سُنا تو اسے بڑا اطمینان
ہُوا ۔ اس نے بُلند آواز سے کہا :
"شاباش ! اب اپنے ساتھیوں کو بتاؤ کہ برابری
کا سلوک کرنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے ؟"
مُلّا نے جواب دیا :
"فائدہ ــــ فائدہ یہی ہے کہ گدھا تو شریف
ہو گیا ہے لیکن بیوی طلاق ہو گئی ہے ۔"

مُبارک باد

ایک دفعہ مُلّا نصرالدین بھاگے ہُوئے اپنے پڑوسی
کے پاس پہنچے اور چیخ کر بولے :
"مجھے مُبارک باد دو ۔ دوست ! میں باپ بن
گیا ہُوں ۔"
پڑوسی نے کہا "مُبارک ہو مُلّا ۔ لڑکا ہُوا ہے
یا لڑکی ؟"
مُلّا نے جواب دیا "وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ
تو بتاؤ کہ تمھیں کیوں کر معلوم ہُوا کہ ان دونوں
میں کوئی ایک ہے ؟"

ہمدرد

ایک دفعہ مُلّا نصرالدین کا گدھا کھو گیا اور کافی
تلاش کے باوجود نہ مل سکا ۔ مُلّا کو بڑا صدمہ ہُوا
جو بھی ملتا اس سے اپنے گدھے کی خوبیاں بیان
کرتے اور اپنی آنکھوں میں آنسو بھر لاتے ۔ ایک
دن انھوں نے اپنے ایک دوست سے گدھے
کے کھونے کا ذکر کیا ۔ دوست نے جواب دیا :
"مانا کہ تم کو اپنے گدھے سے بڑی محبت تھی
اور تم اس کا ہر طرح خیال رکھتے تھے لیکن اب
صبر کرو ۔ اتنا غم تو تم نے اس وقت بھی نہیں
کیا تھا جب تمھاری بیوی کا انتقال ہُوا تھا ۔"
مُلّا نے سرد آہ بھری اور بولے :

"لیکن تمہیں شاید یاد نہیں۔ جب میری بیوی کا انتقال ہُوا تھا تو سارا گاؤں اکٹھا ہو گیا تھا اور ہر ایک نے مجھے صبر کی تلقین کرتے ہُوئے کہا تھا کہ بیوی کا کیا ہے؟ کچھ دِن بعد دُوسری شادی کا اِنتظام کروا دُوں گا۔ دُوسری بیوی مل جائے گی۔ آج گدھے کے کھونے پہ میں صُبح سے اِنتظار کر رہا ہُوں کہ شاید کوئی کہہ دے کہ میں دُوسرا دِلوا دُوں گا۔ لیکن ابھی تک تو کوئی ہمدرد نہیں آیا۔ پھر غم نہ کروں تو کیا کروں؟"

انسانی جذبہ

ایک دِن مُلّا نصرالدین اپنے محلّے میں کسی جاننے والے کے پاس گئے اور اس سے بولے:

"بھائی! میں ایک غریب اِنسان کی مدد کے لیے نکلا ہُوں۔ وہ بے چارہ غریبی کا مارا بہت مقروض ہو گیا ہے کوئی ایسا آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے جس سے قرض ادا کر سکے۔ آپ لوگ مدد کر دیجیے تاکہ غریب کا بھلا ہو جائے۔"

اس آدمی نے مُلّا کے اس جذبے کی بہت تعریف کی اور اپنی جیب سے ایک دینار نکال کر مُلّا کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی پُوچھا:

"مُلّا یہ تو بتاؤ کہ وہ غریب آدمی ہے کون؟"

مُلّا نے جواب دیا "میں ہی ہُوں!"

اِتنا کہہ کر وہ نو دو گیارہ ہو گئے۔

چند ہفتے گزرے ہوں گے کہ مُلّا پھر اسی کے مکان پر پہنچے اور علیک سلیک کے بعد اس کے پاس بیٹھ گئے۔ محلّے والے نے پُوچھا:

"آپ آج پھر غالباً کسی کے قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں تشریف لائے ہیں؟"

مُلّا نے جواب دیا "جی ہاں، بات تو کچھ ایسی ہی ہے —!"

اس آدمی نے پھر کہا:

"میرے خیال میں کوئی آدمی اپنا قرض ادا نہیں کر سکتا تو آپ اس کے لیے چندا کر رہے ہیں؟"

مُلّا نے کہا "جی ہاں، یہی بات ہے۔"

وہ آدمی بولا "میرے خیال میں وہ قرض دار آپ ہی ہیں۔"

مُلّا نے جواب دیا "نہیں۔ یہ خیال غلط ہے۔ اس

بار میں قرض دار نہیں ہوں کوئی دوسرا آدمی ہے۔"
اس جواب پر وہ آدمی بہت خوش ہوا اور مُلّا
کو ایک دینار چندہ عطا کر دیا۔ جب مُلّا دینار کو
جیب میں ڈال کر مکان سے باہر نکلنے لگے تو عین
اسی وقت وہ آدمی پوچھ بیٹھا:
"مُلّا ایک بات تو بتاتے جاؤ۔ آج ایسا کون سا
انسانی جذبہ تمھیں مجبور کر رہا ہے کہ تم چندہ اکٹھا
کرتے پھر رہے ہو؟"
مُلّا نے فوراً جواب دیا "اب کے میں قرض دار
نہیں، قرض خواہ ہوں!"

بارش میں خشکی

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین کے ایک دوست نے
انھیں شکار پر چلنے کی دعوت دی۔ مُلّا فوراً تیار
ہو گئے۔ ان کے دوست نے مریل گھوڑا مُلّا کو
دیا اور باقی دوسرے لوگوں کو اچھے تیز رفتار گھوڑے
دیے۔ سب لوگ شکار کھیلنے کے لیے جنگل کی
طرف روانہ ہوئے۔ ان لوگوں نے شکارگاہ میں جونہی
قدم رکھا، بارش شروع ہو گئی۔ اب تو یہ تمام
شکاری بہت پریشان ہوئے۔ چاروں طرف نگاہ
دوڑائی کہ کوئی سایہ دار چیز مل جائے تو اُس
کے نیچے کھڑے ہو کر بارش سے بچا جائے۔
لیکن وہاں حدِ نظر تک میدان ہی میدان تھا۔
چنانچہ سب نے سرپٹ بھاگنا شروع کیا اور
جلد از جلد گھر پہنچنے کی کوشش کی۔ بارش اتنی
تیز تھی کہ وہ سب چند لمحوں میں بھیگ کے
شرابور ہو گئے۔ جب گھر پہنچے تو ہر شکاری کے
کپڑوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔
اب مُلّا کی رُوداد سنیے۔ اُن کا گھوڑا تو تھا
ہی مریل۔ بارش شروع ہوئی تو اس کی رفتار اور
بھی سست ہو گئی۔ مُلّا نے چاروں طرف دیکھا۔
دوسرے ساتھی بہت آگے نکل چکے تھے۔ وہ
تنہا اپنے گھوڑے پر چلے جا رہے تھے۔ انھوں
نے فوراً اپنے تمام کپڑے اُتار لیے اور اُن کو
باقاعدہ تہہ کر کے گھوڑے کی پیٹھ پر رکھا اور
خود اُن پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ اس طرح خود تو
بھیگتے رہے لیکن کپڑے بارش سے محفوظ رہے۔
جب گھر نزدیک آیا تو بارش ختم ہو چکی تھی۔ انھوں

نے دوبارہ کپڑے پہن لیے اور سب شکاریوں کے
بیچ میں داخل ہوئے۔ سب نے ان کو خشک دیکھا
تو حیرت زدہ ہوئے۔ ملّا بولے:

"اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔ میرے
خشک رہنے کی وجہ آپ کا گھوڑا ہے۔"

دوسرے دن صبح یہ لوگ پھر شکار کے لیے روانہ
ہوئے۔ اب کے اس کے دوست نے مریل گھوڑا
خود رکھا اور تیز رفتار گھوڑا مُلّا کو دے دیا۔
اُس نے سوچا کہ غالباً اس گھوڑے کی بدولت آدمی
بارش میں بھی خشک رہتا ہے۔ اتفاق کی بات
اس دن پھر بارش ہو گئی اور شکاریوں کی جماعت
پانی میں لت پت واپس آئی۔ اُدھر مُلّا پھر
خشک آ موجود ہوئے۔ انھوں نے آج پھر پہلے
والی ترکیب پہ عمل کیا۔ اب تو اُن کے دوست
کو بڑا غصّہ آیا۔ اس نے چلّا کر کہا:

"آج میں قطعاً نہ بھیگتا۔ آج تو سراسر تمھاری
غلطی ہے مُلّا۔ تم نے مریل گھوڑا دے کر میرے
بھیگنے کا کچھ زیادہ سامان پیدا کر دیا۔" دوست کی
یہ بات سُن کر مُلّا بولے:

"آپ مجھ پہ شبہ کر رہے ہیں لیکن یہ سوچنے کی
زحمت گوارا نہیں کر رہے ہیں کہ خود کو خشک رکھنے
کے لیے اپنی طرف سے بھی کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

سچّائی کے نزدیک

مُلّا نصرالدین نے ایک مرتبہ ایک جھیل میں کچھ
مُرغابیوں کو تیرتے دیکھا۔ بعض مُرغابیاں جھیل کے
کنارے پانی میں اٹکھیلیاں کر رہی تھیں۔ مُلّا
کو لالچ آیا۔ اُنھوں نے چاہا کہ ایک مُرغابی کو
چُپکے سے پکڑ لیں۔ لیکن جُونہی انھوں نے جھپٹا مارا
تمام مُرغابیاں اُڑ گئیں اور یہ ہاتھ ملتے رہ گئے۔
اب انھوں نے اپنے ناشتے دان سے روٹی
نکالی اور جھیل کے پانی میں ڈبو ڈبو کے کھانے لگے۔
وہاں کھڑے ہوئے لوگوں میں سے کسی نے پوچھ
لیا کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ مُلّا نے جواب دیا۔
"مُرغابی کے شوربے سے روٹی کھا رہا ہوں۔"

گواہی

ایک دن مُلّا نصرالدین کا پڑوسی اُن کے پاس

آیا اور اُن سے کہا کہ ذرا اپنا گدھا تھوڑی دیر کے
لیے دے دیں۔ مُلّا نے جواب دیا:
"مجھے بڑا افسوس ہے کہ میں آپ کے کام نہ آ
سکوں گا کیوں کہ صبح ہی ایک صاحب گدھا مانگ
کر لے گئے ہیں اور ابھی تک واپس نہیں آئے
ہیں۔"

جس وقت مُلّا یہ بات کہہ رہے تھے ٹھیک اسی
وقت اصطبل سے گدھے کے رینکنے کی آواز آئی۔
پڑوسی تاڑ گیا کہ مُلّا نے بہانہ کیا ہے، گدھا موجود
ہے۔اس نے مُلّا سے کہا:
"میرے خیال میں گدھا اندر موجود ہے۔"
مُلّا نے نہایت وقار کے ساتھ جواب دیا "جو
شخص ایک انسان کے مقابلے میں گدھے کی بات
کا یقین کر لے وہ اس لائق نہیں ہے کہ اس پہ
اعتماد کیا جائے اور کوئی چیز دی جائے۔ آپ
تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

اِنکسار

مُلّا نصرالدین کے گاؤں کے نزدیک ایک اور
گاؤں تھا جہاں مُلّا کو بڑا بزرگ اور پیر فقیر مانا
جاتا تھا۔ مُلّا جب کبھی اس گاؤں میں جاتے ان کا
بڑا احترام کیا جاتا اور سینکڑوں عقیدت مند انھیں
اپنے جھرمٹ میں لے کے چلتے۔ مُلّا کے گاؤں
والوں کو بھی اس کا علم تھا۔ ایک مرتبہ اُن کے
گاؤں کے کسی آدمی کو شرارت سوجھی۔ اُس نے
سوچا کہ مُلّا کی بزرگی کا راز فاش کیا جائے۔ چنانچہ
وہ قریبی گاؤں گیا اور وہاں کے لوگوں کو سمجھایا
کہ مُلّا سے کوئی کرامت دِکھلانے کو کہو۔ اگر مُلّا
کرامت دِکھا دیں تو ان کو پیر مانو ورنہ اُن کا
اعتبار نہ کرو۔ کچھ لوگوں کی سمجھ میں یہ بات
آ گئی۔

چنانچہ جب مُلّا وہاں پہنچے تو لوگوں نے یہی
مطالبہ کیا کہ آپ کوئی کرامت دکھائیں۔ مُلّا
نے جواب دیا کہ آپ لوگ جو کہیں وہی کر کے
دِکھا دوں۔ ایک آدمی بول پڑا:
"اچھا آپ سامنے والا درخت اپنے پاس بُلا
کر دِکھائیں۔"
مُلّا نے جواب دیا:

"یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔ آپ کوئی بہت مشکل
کام سوچ کے رکھیں اور آئندہ جب میں یہاں دورہ
پر آؤں تو آپ مجھ سے کہیں، میں کر کے دکھا
دوں گا۔" لوگوں کو ملّا کی باتوں کا یقین نہ آیا
وہ بضد ہو گئے کہ آج ہی آپ یہ کام کر کے
دکھائیں ورنہ ہم کو آپ پر اعتبار نہ رہے گا۔
اب تو ملّا بہت سٹپٹائے لیکن بھاگنے کا کوئی
راستہ نہ تھا۔ آخر کار انھوں نے ہاتھ کے اشارے
سے درخت کو اپنے پاس بلایا۔ مگر درخت کا آنا
تو کیا اس کا پتّا بھی نہ ہلا۔ سب لوگ کبھی ملّا
کو دیکھتے اور کبھی درخت کو۔ ملّا نے پھر درخت
کو بلایا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ جب وہ
کسی صورت قریب نہ آیا تو ملّا خود ہی درخت کے
پاس پہنچ گئے۔

مجمع میں سے کسی نے پوچھ لیا:
"کیوں قبلہ! آپ کے بلانے پر تو درخت نہ آیا
آپ خود اس کے پاس کیوں پہنچ گئے۔؟"
ملّا نے جواب دیا "ہم فقیر لوگ ہیں۔ ہم میں
غرور نام کو نہیں ہوتا۔ جب درخت نہ آیا تو ہم
خود اُس کے پاس چلے گئے۔"

دونوں چور ہیں!

ملّا نصرالدین کے گاؤں کے باہر ہر جمعے کو بازار
لگتا تھا جہاں قرب و جوار کے لوگ بھی مال کی
خرید و فروخت کے لیے آتے تھے۔ ملّا بھی اس
میں شریک ہوتے اور ہر جمعے کو صبح کے وقت اپنے
ہمراہ ایک عمدہ قسم کا گدھا لے جاتے اور بہت
سستے داموں بیچ دیتے۔ دوسرے گدھے والوں کو
بڑا تعجب ہوتا کہ یہ شخص اتنے مضبوط اور اچھے
گدھے کیوں کر کم قیمت پر بیچتا ہے۔ ایک مرتبہ
ایک بیوپاری نے ملّا سے پوچھ ہی لیا:
"ملّا جی! ہم لوگ آج تک یہ نہ سمجھ سکے کہ
اتنے اچھے گدھے تم اتنی کم قیمت پر کیسے بیچ
دیتے ہو۔ ہم لوگوں نے بھی اپنے گدھوں کی قیمتوں
کو کافی کم کر دیا ہے۔ نوکر کسانوں سے مفت چارہ
لے آتے ہیں، دوسرے آدمی ان کی نگہداشت
کرتے ہیں اور ان کی غذا کا بندوبست کرتے ہیں
جس کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے۔ اس کے باوجود

ہمارے گدھوں کی قیمتیں تمھارے گدھوں سے زیادہ ہوتی
ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ چوری کرتے ہو؟"
مُلّا نے جواب دیا " اس میں سوچنے کی کیا بات ہے
بالکل سیدھی سی بات ہے۔ آپ چوری کرتے ہیں
چارے کی اور دُوسروں کی محنت کی۔ میں براہِ راست
گدھے چُراتا ہُوں۔ کام دونوں کا ایک ہے۔"

قانونی نکتے

ایک دن مُلّا نصرالدین کا پڑوسی ان کے پاس
آیا اور اُن سے ایک قانونی نکتہ معلوم کرنے کی
اجازت چاہی۔ مُلّا نے کہا "اس میں اِجازت کی کیا
بات ہے۔ بے دھڑک پُوچھو۔"
پڑوسی بولا:
"بھائی! مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے بیل نے میری
گائے کو سینگ مار کر زخمی کر دیا ہے کیا ایسی
صُورت میں میں کسی معاوضے کا حقدار ہُوں؟ اس
سلسلے میں قانون کیا کہتا ہے؟"
مُلّا نے جواب دیا:
"قانون بالکل صاف اور سیدھا ہے۔ جو شخص
غلطی کرے گا اسی کو سزا دی جائے گی۔ یہ بھلا
کیوں کر ممکن ہے کہ غلطی کرے بیل جُرمانہ اِنسان
بُھگتے۔ آپ کسی معاوضے کے حقدار نہیں ہیں۔"
مُلّا نے جونہی اپنا جواب مکمل کیا پڑوسی بولا:
"ذرا ٹھہریئے! میں نے سوال اُلٹا کہہ دیا۔
بات وہ نہیں ہے جو میں نے ابھی کہی ہے بلکہ
یوں ہے کہ میرے بیل نے آپ کی گائے کو زخمی
کر دیا ہے۔"
مُلّا نے ایک سرد آہ بھری اور بولے:
"اب تو مسئلہ کچھ پیچیدہ ہو گیا ہے۔ میں اس
کا جواب فی الفور نہیں دے سکتا۔ اس سلسلے میں
مجھے پچھلے مقدمات کے فیصلوں کی کتاب دیکھنی پڑے
گی۔ ممکن ہے اس سوال کے پیچھے کچھ دُوسری باتیں
بھی ہوں جن سے مقدمے کی نوعیت تبدیل ہو جائے
اس لیے مجھے کچھ وقت دیجیے اور آپ پھر کبھی
تشریف لائیں۔"

سوال میں جواب

مُلّا نصرالدین سے اُن کے کسی دوست نے سوال

کیا:

"تمھاری کیسی عادت ہے کہ ہر بات کا جواب سوال کی شکل میں دیتے ہو ــــ؟"

مُلّا نے جواب دیا "کیا میں واقعی ایسا کرتا ہوں؟"

قناعت

مُلّا نصرالدین کے گاؤں میں ایک شخص حمزہ نامی رہا کرتا تھا۔ یوں تو وہ کچھ زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا لیکن باتیں ہمیشہ فلسفیوں جیسی کرتا تھا۔ گاؤں والے اس سے بہت مرعوب تھے۔ اس کی ہر بات بے چون وچرا مان لی جاتی تھی۔ ایک دن حمزہ چائے خانے میں بیٹھا اپنا فلسفہ بگھار رہا تھا۔ اس نے دوسروں کو مخاطب کرکے کہا:

"انسان کی فطرت میں قناعت بالکل نہیں ہے۔ اس کو جو کچھ مل جاتا ہے وہ اس سے مطمئن نہیں ہوتا بلکہ دوسری چیز کی خواہش کرنے لگتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر سردی کا موسم ہے تو انسان گرمیوں کو اچھا کہنے لگتا ہے اور سردی سے عاجز آ جاتا ہے اس کے برخلاف اگر گرمیوں کے دن ہیں تو اُن سے پریشان رہتا ہے اور سردیوں کی تعریف میں قلابے ملانے لگتا ہے۔"

اتفاق سے اس وقت چائے خانے میں مُلّا بھی موجود تھے۔ انھوں نے فلسفی کی بات سُنی تو فوراً کھڑے ہو گئے اور اس کو مخاطب کرکے بولے:

"معاف کیجیے گا۔ آپ نے کبھی موسمِ بہار کی بھی بُرائی کسی کی زبان سے سنی؟" یہ کہہ کر وہ خاموشی سے چائے خانے سے نکل گئے۔ باقی لوگ فلسفی کے جواب کا انتظار کرنے لگے۔

مزاج پُرسی

ایک دفعہ مُلّا نصرالدین بیمار ہو گئے۔ اُن کے ایک دوست عیادت کے لیے آئے۔ پاس بیٹھ کر مزاج پُرسی کی۔ اس کے بعد دُنیا بھر کی باتیں شروع کر دیں۔ مُلّا شروع میں اُن کی باتوں کا جواب دیتے رہے لیکن جب باتوں کا سلسلہ بڑھتا ہی چلا گیا تو وہ بہت پریشان ہو گئے۔ کئی مرتبہ اشاروں کنایوں میں انھیں خاموش رہنے کی کوشش کی لیکن انھوں نے نہ سمجھنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد مُلّا نے کروٹ لی اور دُوسری طرف مُنھ پھیر کر لیٹ گئے۔

دوست صاحب اب بھی اپنا زورِ خطابت صرف کرتے رہے۔ جب مُلّا کی ہر ترکیب ناکام ہو گئی تو انھوں نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ ان کے باتونی دوست نے پُوچھا:

"مُلّا خیر تو ہے؟ ابھی تو تمھاری طبیعت ٹھیک تھی۔ ایک دم رونے کیوں لگے؟ تمھیں کس بات کی تکلیف پیدا ہو گئی؟"

مُلّا نے تکلّف برطرف کرتے ہُوئے کہا:

"آپ کی ہمدردی سے میری تکلیف میں اضافہ ہو گیا۔"

یہ کہہ کر انھوں نے اور زور سے رونا شروع کر دیا۔ اب ان کے دوست کو بھاگتے ہی بنی۔

میرا خیال ہے.....؟

جب مُلّا نصرُالدین پہلے پہل قاضی بنائے گئے تو انھیں بڑی جھجک محسوس ہُوئی۔ وہ سوچنے لگے کہ میں کیوں کر اتنی بڑی کرسی پر بیٹھوں گا اور صحیح فیصلے دے سکوں گا۔ بہر حال کام تو کرنا ہی تھا جب وہ پہلے دن عدالت میں پہنچے تو ایک مقدمہ ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ ان کے پیش کار نے ایک مُدّعی کو حاضرِ عدالت کیا۔

مُدّعی نے اپنی تمام زور دار مُلّا کے سامنے پیش کی اس نے اپنے حق میں اتنے اچھے دلائل دیے اور اس خوب صورتی سے مقدمہ پیش کیا کہ مُلّا اس پر سو فیصدی ایمان لے آئے۔ جب مُدّعی اپنا بیان ختم کر چکا تو مُلّا بولے:

"میرا خیال ہے تم حق پر ہو۔"

مُلّا کے اس جملے پر پیش کار نے انھیں ٹوکا اور کہا:

"حضور! جب تک مُدّعا علیہ کا بیان نہ سُن لیا جائے حق اور ناحق کا فیصلہ کیوں کر ممکن ہے۔ میں ابھی مدّعا علیہ کو عدالت کے سامنے بُلواتا ہُوں اس کا بھی بیان سُن لیا جائے۔"

چنانچہ پیش کار نے مُدّعا علیہ کو عدالت میں پیش کیا۔ اُس نے بھی اپنا جواب تمام گواہوں اور شہادتوں کے ساتھ دیا۔ مُلّا اس کے بیان میں بھی بالکل

کھو گئے اور جونہی اس نے بیان ختم کیا بول پڑے
"میرے خیال میں تم حق پر ہو۔"
اب پھر پیش کار کو مداخلت کرنی پڑی۔ اس نے ملا کو مخاطب کر کے کہا:
"جناب عالی! دونوں تو بیک وقت حق پر نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے ایک ہی سچا ہو گا۔"
ملا نے جواب دیا:
"میرے خیال میں تم ٹھیک کہتے ہو پیش کار!"

بیٹے کی شادی

ایک رات کھانے پینے سے فارغ ہونے کے بعد جب ملا نصرالدین اپنے بستر پہ لیٹے تو بیوی نے رازداری کے انداز میں ان سے کہا "تمھیں کچھ فکر بھی ہے۔ بیٹا ماشاء اللہ جوان ہو چکا ہے۔ اب اس کی شادی کا بندوبست ہونا چاہیے۔ اگر جلدی نہ کی تو اندیشہ ہے کہ وہ ہاتھ سے بے ہاتھ نہ ہو جائے۔"

ملا نے جواب دیا:
"تمھیں تو ہر وقت یہی پڑی رہتی ہے کہ کام کاج پھیلے اور مہمان اکٹھے ہوں۔ کچھ یہ بھی فکر ہے کہ پیسہ کہاں سے آئے گا۔ تمھیں پتا ہے کہ گھر کا خرچ کس طرح چل رہا ہے؟ شادی کے اخراجات کیسے پورے ہوں گے۔ شادی کرنا کوئی آسان کام ہے؟"
بیوی نے کہا:
"کم از کم کہیں بات چیت کا سلسلہ تو شروع کرو۔ پیسے کا انتظام خود بخود ہو جائے گا۔ اگر کوئی صورت آمدنی کی نہ نکلی تو اپنا گدھا بیچ دینا۔ آرام سے شادی ہو جائے گی۔"

اس بات چیت کے بعد کوئی دوسری بات نکل آئی اور شادی کی بات ادھوری رہ گئی۔ ملا کا بیٹا لحاف میں منھ چھپائے اپنی شادی کی باتیں سن رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اب اس موضوع پر کوئی بات ہی نہیں ہو رہی ہے تو اس نے لحاف سے منھ نکال کے کہا:
"ابا! امی کی بات مان بھی لو۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں کہ گدھے کو فروخت کر ڈالو۔ اس میں حرج ہی کیا ہے۔"

تُو ہی تُو

ایک زمانے میں مُلّا نصرُالدّین پر پیری فقیری کا بھُوت سوار تھا۔ دن رات ذکر فکر جاری رہتا۔ اس زمانے میں ایک دن وہ چوراہے پر کھڑے ہو کر ایک نظم بآوازِ بُلند پڑھنے لگے۔ اس نظم میں عارفانہ باتیں تھیں۔ جن کا مفہوم کچھ اس طرح تھا:

"اے میرے محبوب! میں تیرے خیال میں اس قدر کھو گیا ہوں کہ تُو میرے جسم و جان میں سما چُکا ہے۔ مجھے حدِ نظر تک جو کچھ بھی دکھائی دیتا ہے اس میں تُو ہی تُو نظر آتا ہے!"

جب مُلّا یہ نظم پڑھ رہے تھے تو قریب ہی کوئی مسخرہ کھڑا تھا۔ اُس نے چلّا کر کہا:

"اے پیر جی! اگر تمہاری نظروں کے سامنے کوئی احمق آ جائے تو کس کا جلوہ نظر آئے گا؟"

مُلّا نے بغیر رُکے ایک ہی سانس میں جواب دیا:

"بے شک اُس وقت بھی تُو ہی تُو نظر آئے گا!"

سیڑھی

مُلّا نصرُالدّین کے مکان کے پیچھے ایک بہت بڑا باغ تھا۔ ایک دن انھوں نے سوچا کہ باغ سے کچھ پھل چُرائے جائیں۔ ان کے لیے یہ کام ایسا کچھ مشکل بھی نہ تھا کیوں کہ دیوار ملی ہُوئی تھی۔ وہ اُٹھے اور اپنی سیڑھی کو اُٹھا کر دیوار پر چڑھایا۔ پھر باغ کی طرف دیوار کے سہارے کھڑا کر دیا۔ جب سیڑھی مضبوطی سے ٹِک گئی تو اطمینان سے باغ میں اُتر گئے۔ باغ کا مالک دیکھ رہا تھا۔ وہ دوڑتا ہُوا مُلّا کے پاس آیا اور بولا:

"اجی حضرت! یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"گھبرائیے نہیں! میں کوئی پھل چرانے نہیں آیا ہُوں۔ میں اپنی سیڑھی بیچنا چاہتا ہُوں۔ بتائیے آپ اس کی کیا قیمت دیں گے؟"

باغ کا مالک بہت ناراض ہُوا اور غصّے سے بولا:

"جاؤ جی اپنا کام کرو۔ بے وقوف بنانا کسی اور کو۔ باغ میں بھی کوئی سیڑھی بیچنے کی جگہ ہے؟"

ملا نے جواب دیا:

"بے وقوف جناب ہیں یا میں؟ آپ کو اتنی سی بات بھی نہیں معلوم کہ سیڑھی ہر جگہ بیچی جا سکتی ہے۔"

اللہ کا کرم

ملا نصرالدین کی عادت تھی کہ ہر بات کو وہ بہت زیادہ سوچتے تھے۔ چاہے وہ بات ان کے کسی کام کی ہو یا نہ ہو۔ ایک دن وہ اپنی بیوی کو مخاطب کر کے بولے:

"میں جس قدر سوچتا ہوں اتنا ہی قدرت کے کارخانے میں نئی نئی چیزیں دیکھتا چلا جاتا ہوں اور ان کی ترتیب اور باقاعدگی کا معترف ہوتا جاتا ہوں۔ اللہ نے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ایسی رکھی ہے جس سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچ جائے۔"

بیوی ان کی اس گفتگو کو بالکل نہ سمجھ سکی۔ اس نے ملا سے کہا:

"کوئی مثال دے کے اپنی بات سمجھاؤ۔"

ملا نے کہا "اب اونٹ ہی کی مثال لے لو۔ یہ اللہ نے کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اس کو پر عطا نہیں کیے۔"

بیوی نے پوچھا "ورنہ کیا ہوتا؟"

ملا نے جواب دیا "تمھاری سمجھ میں اتنی سی بات بھی نہیں آتی۔ ارے خدا کی بندی! اگر اس کے پر ہوتے تو وہ مکانوں کی چھتوں پر بیٹھتا پھرتا، اس طرح نہ صرف چھتیں برباد ہوتیں بلکہ چھپروں کو توڑ دیتا، گھاس پھوس کے چھپر کھا جاتا اور اس کے علاوہ غل غپاڑہ اور گندگی بھی بہت بڑھ جاتی۔"

بیوی ملا کی ذہانت کی قائل ہو گئی۔

نیم استاد

ایک مرتبہ ملا نصرالدین کو پتا چلا کہ کوئی آدمی کرد زبان سیکھنا چاہتا ہے۔ ان کو یہ زبان کچھ واجبی سی آتی تھی لیکن فیس اچھی ملنے کی امید تھی

اس لیے دوڑے ہوئے اس کے پاس پہنچ گئے اور
کرد زبان سکھانے کی پیش کش کی۔ وہ آدمی راضی
ہو گیا۔ ملا نے پہلا سبق شروع کیا:
"دیکھو گرم شوربے کو کرد زبان میں "آش"
کہتے ہیں۔"
شاگرد نے پوچھا:
"اور ٹھنڈے شوربے کو کیا کہیں گے؟"
ملا نے جواب دیا:
"ٹھنڈا شوربہ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہیں
آئے گی۔ کرد لوگ گرم شوربہ ہی پسند کرتے ہیں
ٹھنڈے کو ہاتھ نہیں لگاتے۔"

خدا کی دین

ملا نصیرالدین کی بے روزگاری سے ان کی بیوی
تنگ آچکی تھی۔ وہ اکثر ملا کو کوئی کام نہ کرنے
پہ ملامت کرتی۔ ملا کچھ نہ کہتے۔ ایک دن ان
کی بیوی نے کچھ زیادہ ہی بک بک شروع کر دی
جب ملا بہت تنگ ہو گئے تو غصے کے عالم
میں بیوی سے بولے:

"تم نے تو بلا وجہ مجھے پریشان کر رکھا ہے۔
میں نوکری کر بھی کیسے سکتا ہوں۔ تم جانتی ہو
میں قادرِ مطلق کا خدمت گار ہوں جو سب کو رزق
دینے والا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ ایک وقت میں
دو نوکریاں کیوں کر ہو سکتی ہیں؟"
بیوی کچھ دیر تک سوچنے کے بعد بولی:
"چلو مانا تم نے اللہ میاں کی نوکری کر رکھی
ہے لیکن ہر مالک اپنے نوکر کو تنخواہ دیتا ہے۔
آخر تمھیں تنخواہ کیوں نہیں ملتی؟"
ملا کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ وہ بیوی سے
مخاطب ہو کر بولے:
"میرا خیال ہے میں نے کبھی اللہ سے تنخواہ
مانگی ہی نہیں۔ اگر میں مانگتا تو وہ یقیناً دیتا۔
جب دنیا کے کنجوس مالک تنخواہ دے دیتے ہیں
تو اللہ میاں تو سب مالکوں کا مالک ہے، وہ
کیوں نہ دے گا؟"
بیوی نے کہا:
"اب تم ہی سمجھو۔ جاؤ اپنی تنخواہ مانگ کر
دیکھو۔"

مُلّا بیوی کے پاس سے اُٹھے اور سیدھے باغ میں
پہنچے۔ وہاں جا کر پہلے تو نماز پڑھی اس کے بعد
کھڑے ہو کر ہاتھ بلند کر کے خُوب زور زور سے
دُعا مانگنے لگے:

"میرے پروردگار! میں نے اپنی ساری زندگی تیری
عبادت اور تیرے بندوں کی خدمت میں گزاری۔
اس کا معاوضہ کم سے کم سو دینار بنتا ہے۔ اگر تو
مجھے یہ رقم عنایت کر دے تو میں تا زندگی تیرا
شکر گزار رہوں گا۔ میرے اللہ میری دُعا سُن لے۔"
باغ سے متصل ایک مکان تھا جس میں کوئی
امیر آدمی رہتا تھا۔ اُس نے مُلّا کی یہ دُعا سُن لی
اس کو مذاق سُوجھا۔ اس نے سو دینار ایک تھیلی
میں ڈال کر تھیلی کو کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔
وہ مُلّا کے قدموں میں آ کر گری۔ مُلّا نے جو
تھیلی دیکھی تو ان کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ وہ
بڑے رُعب کے ساتھ کھڑے ہوئے اور تھیلی بغل
میں دبا کر سیدھے بیوی کے پاس پہنچے اور اس
سے بولے:

"دیکھو! میں نہ کہتا تھا کہ میں بھی بڑا پہنچا ہُوا
فقیر ہُوں۔ جیسے ہی میں نے خُدا سے اپنی پچھلی
خدمات کا معاوضہ طلب کیا اس نے اسی وقت
میرے قدموں میں یہ رقم ڈال دی۔ اب تو تم
مانتی ہو مجھ کو!"

بیوی واقعی بہت متاثر ہُوئی۔

اس رقم کا ملنا تھا کہ مُلّا کے دن پھر گئے۔
خُوب دل کھول کر پیسے خرچ کرنے لگے۔ گھر
گرہستی کی ایک ایک چیز خریدی جانے لگی۔ مُلّا
اور اُن کی بیوی نے اپنے لیے خوب کپڑے خریدے
اور سِلنے کے لیے درزی کو دے دیے۔ ہر قسم کا
فرنیچر بھی خریدا۔ محلّے بھر میں بات اڑ گئی کہ مُلّا کے
کہیں سے بڑا پیسہ ہاتھ لگ گیا ہے۔

جب اس امیر آدمی کو پتا لگا کہ مُلّا اس کی
دی ہُوئی رقم کو بے تحاشا خرچ کر رہا ہے تو
اس کو بڑی تشویش ہُوئی۔ اس نے سوچا کہ اگر
مُلّا نے ساری رقم خرچ کر ڈالی تو اس سے واپس
ملنا ناممکن ہے اس لیے اس کے پاس جا کر
سارا مذاق اس کو بتا دیا جائے اور اپنی رقم
واپس لی جائے۔ یہ سوچ کر وہ بھاگا ہُوا مُلّا

کے پاس آیا اور سارا ماجرا اس سے کہہ سُنایا۔ مُلاّ نے جواب دیا:

"جائیے اپنا کام کیجیے۔ بے وقوف کسی اور کو بنائیے گا۔ مجھے تو میرے خُدا نے رقم دی جسے آپ نے غالباً میری دُعا سُن لی تھی۔ اسی کو سُن کر آپ نے یہ افسانہ تراشا ہے۔ رقم آپ کو ہرگز نہ دُوں گا۔"

امیر آدمی نے کہا:

"میں بھی اتنی بڑی رقم آسانی سے نہیں چھوڑ سکتا۔ میں تمھیں عدالت میں لے جاؤں گا۔ دیکھیں وہاں سے کیسے بچتے ہو؟"

یہ کہہ کر امیر آدمی وہاں سے جانے لگا تو مُلاّ نے اسے روک کر کہا:

"میں عدالت میں جانے کو تیار ہُوں۔ اگر عدالت یہ کہتی ہے کہ یہ رقم تمہاری تھی تو میں پائی پائی ادا کرنے کی ہمت رکھتا ہُوں لیکن میری ایک شرط ہے۔ میرے پاس نہ تو مناسب کپڑے ہیں اور نہ کوئی سواری۔ اگر میں موجودہ حالت میں عدالت میں گیا تو وہ یقیناً تمہاری شخصیت اور مال و دولت سے متاثر ہو کر تمہارے حق میں فیصلہ کر دے گی۔ اس لیے مجھے عدالت سے اس وقت تک انصاف کی اُمید نہیں ہے جب تک میرا حلیہ بھی تمہارے جیسا نہ ہو جائے۔"

امیر آدمی نے مُلاّ کو عدالت تک لے جانے کی غرض سے اپنا جُبّہ اور گھوڑا انھیں دے دیا اور خود پیدل سادے کپڑوں میں چلنے لگا۔ اب مُلاّ کی شان ہی کچھ اور تھی۔ دونوں اسی طرح عدالت میں پہنچے۔

وہاں پہنچ کر امیر آدمی نے پُورا واقعہ بیان کیا اور قاضی سے التجا کی کہ اس کی رقم دلوائی جائے۔

قاضی نے مُلاّ سے پُوچھا:

"تمھیں اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے؟"

مُلاّ نے جواب دیا:

"حضور! اس شخص کا دماغ خراب ہے۔ اس کی کوئی بات یقین کے قابل نہیں ہے۔"

قاضی نے پُوچھا:

"اس دعوے کا کوئی ثبوت تمہارے پاس ہے؟"

مُلاّ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا:

"اس کا ثبوت یہ شخص خود اپنی زبان سے دے
گا۔ جو چیز بھی دیکھتا ہے فوراً اپنی کہہ دیتا
ہے۔ اگر آپ اس سے میرے گھوڑے کے بارے
میں پوچھیں تو یہ کہے گا میرا ہے۔ اسی طرح
میرے کپڑوں کے بارے میں سوال کریں تب بھی
یہی کہے گا یہ میرے ہیں۔ ایسے آدمی کی بات
کا کیا اعتبار! جب ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کو
یہ اپنا کہہ بیٹھتا ہے تو سو دینار تو ایک بڑی
رقم ہے۔"

امیر آدمی نے ملّا کی یہ تقریر سنی تو فوراً چیخ
پڑا:

"لیکن حضور یہ چیزیں تو واقعی میری ہیں!"
قاضی نے اسی وقت مقدمہ خارج کر کے ملّا
کو باعزت طور پر بری کر دیا۔

رسّی ڈھیلی کرو

ملّا نصرالدین اکثر اپنے گاؤں کے ایک اچھے
ہوٹل میں بیٹھا کرتے تھے، جہاں کچھ دوسرے
بے فکرے نوجوان بھی آ بیٹھتے تھے۔ وہاں تقریباً
ہر موضوع پر تبادلۂ خیال ہوتا۔ ہر شخص اپنی اپنی
سمجھ اور معلومات کے مطابق گفتگو میں حصہ لیتا۔
ایک دن ملّا ہوٹل کے برآمدے میں بیٹھے لوگوں
کے ساتھ خوش گپیاں کر رہے تھے۔ اچانک سامنے
سے ایک لڑکا آتا ہوا دکھائی دیا۔ ملّا نے کوئی
توجہ نہ دی۔ جب وہ لڑکا ان کے قریب پہنچا
تو اُس نے ان کی ٹوپی گرا دی۔ ملّا کو ناگوار
تو بہت ہوا لیکن زبان سے کچھ نہ بولے اور
باتوں میں لگے رہے۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ دوسرے
دن پھر وہ لڑکا ان کے پاس سے گزرا اور
ان کی ٹوپی گراتا چلا گیا۔ ملّا نے اسے گھور کر
دیکھا اور ٹوپی اُٹھا کر پہن لی پھر باتوں میں لگ
گئے۔

یہ سلسلہ کئی دن تک چلتا رہا۔ وہ لڑکا روزانہ
مقررہ وقت پر آتا اور ملّا کی ٹوپی کو جھٹکا دے
کر گرا دیتا اور غائب ہو جاتا۔ ملّا کے دوستوں
نے ان سے پوچھا کہ آپ اس لڑکے کو پکڑتے
کیوں نہیں ہیں۔ کسی نے کہا:
"آپ تو بہت بزدل ہیں۔ اتنے سے لڑکے

کو سزا نہیں دے سکتے۔ پکڑ کے دو ہاتھ لگائیے
دماغ ٹھکانے آ جائے گا۔"

مُلّا نے جواب دیا:

"میرے سوچنے کا انداز آپ لوگوں سے الگ
ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ غلطی کی اصلاح ڈانٹ
ڈپٹ سے ہو سکتی ہے لیکن اگر کسی میں بُری عادتیں
جم جائیں تو اس کی اِصلاح کا دُوسرا طریقہ بھی
ہے۔"

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

اِتفاق کی بات ایک دِن مُلّا کو ہوٹل پہنچنے میں
دیر ہو گئی۔ اِس دوران ان کی کُرسی پر کوئی
سپاہی آ کر بیٹھ گیا۔ وہ سپاہی صُورت سے ڈراؤنا
معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے سر پہ ترچھی ٹوپی لگی
ہُوئی تھی۔ آج پھر وہ لڑکا اپنے وقت پہ نمودار
ہُوا۔ ٹوپی گرانے کی عادت اس میں اتنی پکّی ہو
چُکی تھی کہ وہ سپاہی کی ٹوپی بھی گرانے سے نہ
چُوکا۔ سپاہی لڑکے کی یہ حرکت دیکھ کر آگ بگولا
ہو گیا۔ اس نے فوراً تلوار نِکال کر لڑکے کا سر قلم
کر دیا اور پھر اپنی جگہ جا کر بیٹھ گیا۔

مُلّا یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ جیسے ہی سپاہی نے
لڑکے کا سر تن سے جُدا کیا انھوں نے اپنے
دوستوں سے کہا:

"دیکھا! میں نے تُم لوگوں سے جو بات کہی تھی
اس کا مطلب شاید تمھاری سمجھ میں آ گیا ہو۔"

کُتّے کا بچّہ

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدّین کے صاحب زادے جو
تیزی میں اپنے باپ سے بھی دو قدم آگے تھے
کسی شریف آدمی سے اُلجھ پڑے اور اس کو وہ
بے نقط سُنائیں کہ شریف آدمی کانپ اُٹھا۔ وہ
بے چارہ مُنھ سے کُچھ نہ کہہ سکا اور سر جُھکائے
اپنے گھر میں داخل ہو گیا۔

اس واقعہ کی اِطّلاع کِسی نہ کِسی ذریعے سے مُلّا
کو بھی ہو گئی۔ وہ بڑے شرمندہ ہُوئے اور
معذرت کے لیے اس آدمی کے گھر پہنچے۔ وہاں
پہنچ کر بولے:

"بھائی مُجھے یہ سُن کر بڑی تکلیف ہُوئی کہ
میرے لڑکے نے آپ کو بُرا بھلا کہا۔ وہ

کُتّے کا بچہ نہایت گستاخ ہے۔ تاہم اُسے معاف کر دیجیے کیوں کہ آپ بہر حال اس کے باپ کے برابر ہیں۔ اُسے اپنی اولاد سمجھیے۔"

خواب

ایک زمانے میں مُلّا نصر الدین کو صوفی بننے کا بڑا شوق تھا۔ اِسی شوق میں انھوں نے صوفیوں جیسا لباس بھی پہننا شروع کر دیا تھا۔ ایک دِن وہ اپنے گھر سے یہ کہہ کر نِکل گئے کہ یہاں دُنیا داری بہت ہے۔ میں تو جنگل میں رہوں گا جہاں اللہ کی یاد آسان ہے۔ راستے میں انھیں ایک پادری اور ایک سادھو مل گئے۔ انھوں نے بھی مُلّا کے ساتھ چلنے پر آمادگی ظاہر کی۔ مُلّا بخوشی تیار ہو گئے۔ چنانچہ تینوں نے ایک ساتھ سفر شروع کر دیا۔

تینوں چلتے چلتے ایک گاؤں میں پہنچے۔ یہاں پہنچ کر پادری اور سادھو نے مُلّا سے کہا:

"آپ ذرا آبادی میں جائیں اور وہاں سے کچھ خیرات زکوٰۃ اکٹھا کر لائیں۔ اس وقت تک ہم لوگ اپنی اپنی عبادت کر لیں۔"

مُلّا راضی ہو گئے اور گاؤں میں نِکل گئے۔ وہاں سے واپسی پر ان کے پاس نقد رقم کے علاوہ کچھ حلوا بھی تھا۔ مُلّا کو پیسوں سے زیادہ حلوے کی خوشی تھی۔

جب اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچے تو اُن سے کہا:

"آؤ ابھی مل بانٹ کر یہ حلوا کھا لیں۔"

دونوں ساتھیوں نے جواب دیا:

"ابھی تو ہم لوگوں کو بھوک نہیں ہے۔ رات گئے کھا لیں گے۔"

یہ کہہ کر دونوں اپنے دھیان گیان میں بیٹھ گئے۔ مُلّا کا بھوک کے مارے بُرا حال تھا۔ لیکن اُن کے ساتھی کِسی صُورت تیار نہ ہو رہے تھے۔ جب حلوا کھانے کی کوئی ترکیب سمجھ میں نہ آئی تو مُلّا بولے:

"اچھا بھائی! تم لوگوں کی جب مرضی ہو تب کھا لینا، میں ایک تہائی حلوا ابھی کھائے لیتا ہوں۔ کیوں کہ مُجھ سے بھوک برداشت نہیں ہو

رہی ہے اور پھر میرا حلوے پر حق بھی زیادہ ہے،
کیوں کہ لانے والا تو میں ہی ہُوں۔"

مُلّا کی اِس بات پر دونوں میں سے کوئی بھی
راضی نہ ہُوا۔ پادری بولا:

"تم جانتے ہو میں ایک بہت بڑے طبقے کا
رُوحانی پیشوا ہُوں۔ میری بڑی عزت ہے اِس لیے
مجھے یہ حق پہنچتا ہے کہ پہلے میں کھاؤں اور
سب سے زیادہ کھاؤں۔"

سادھو نے کہا "نہیں صاحب! سب سے زیادہ
حق میرا ہے کیوں کہ میں دو دن فاقہ کرتا ہُوں،
تیسرے دن کھانا کھاتا ہُوں۔ آج میرا تیسرا دن
ہے اس لیے مجھ کو ترجیح دی جائے۔"

بہر حال تینوں میں تصفیہ نہ ہو سکا۔

کافی دیر تک بحث ہونے کے بعد اس بات
پر اتفاق رائے ہُوا کہ تینوں پڑ کر سو جائیں۔
صُبح اُٹھ کر جو سب سے اچھا خواب سُنائے وہ
سب سے پہلے حلوا کھائے اور جس قدر جی چاہے
کھالے۔ چنانچہ تینوں سو گئے۔ دُوسرے دن
صُبح کے وقت تینوں نے اپنے اپنے خواب بیان
کیے۔ سب سے پہلے پادری بولا:

"میں نے خواب میں حضرت عیسیٰ کو دیکھا۔ انھوں
نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، دُعائیں دیں اور
بشارت دی کہ تم خدا کے خاص اور پیارے
بندے ہو!"

سادھو نے کہا "بھائی میں نے بڑا عجیب خواب
دیکھا ہے۔ مجھے خواب میں ایسا معلوم ہُوا جیسے
بھگوان نے مجھے نروان عطا کر دیا۔ اس عالم میں
میں اپنے آپ میں کھو گیا۔ مجھے ایسا لگا جیسے
میں کچھ بھی نہیں ہُوں۔ بس ہر طرف بھگوان
کی لیلا ہے۔"

اب دونوں مُلّا نصرُالدّین کی طرف متوجہ ہُوئے
مُلّا اطمینان سے بولے:

"بھائیو! میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت
خضر علیہ السلام میرے پاس آئے ہیں۔ آپ
لوگوں کو یہ بتا دُوں کہ حضرت خضر علیہ السلام خدا
کے پاکیزہ ترین بندوں کے پاس ہی آتے ہیں۔
یوں ہر کس و ناکس کے قریب نہیں جاتے۔ انھوں
نے آ کر کہا، نصرُالدّین اُٹھ! میں اُٹھ گیا۔

پھر وہ مجھے حلوے کے پاس لے گئے اور حکم دیا کہ کھاؤ ۔ ابھی کھاؤ سارا حلوا ! مجھے بتائیے کہ ایسی حالت میں آپ کیا کرتے ؟ میں نے خاموشی کے ساتھ سارا حلوا کھا لیا ۔"

مجھے یاد ہے

ایک زمانے میں مُلّا نصرالدین کے گاؤں میں ایک کھیل کا بڑا زور تھا ۔ اِس کھیل کا قاعدہ یہ تھا کہ دو آدمی آپس میں شرط لگاتے کہ ان میں سے کوئی بھی جب دوسرے کو کوئی چیز دے گا تو حاصل کرنے والا جواب میں کہے گا "مجھے یاد ہے" اگر چیز لینے والا یہ فقرہ کہنا بھول جاتا تو اس پر جرمانہ عائد کیا جاتا ۔ جرمانے کی رقم چیز دینے والے کو مل جاتی ۔ بظاہر تو یہ جملہ کہنا اتنا مشکل نہیں معلوم ہوتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر موقع پر کوئی بات یاد رکھنا بڑا مشکل ہوتا ہے ۔ اس شرط میں لوگوں کو کافی جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا لیکن لوگ شرط لگاتے ضرور تھے ۔ مُلّا نے جب یہ شرط لگانے کا قاعدہ دیکھا تو گھر آ کر بیوی کو سمجھایا پھر اسی سے شرط بدلی ۔ دونوں ہی بھلکڑ تھے ۔ کبھی مُلّا یہ فقرہ کہنا بھول جاتے تو کبھی اُن کی بیوی ۔ غرض دونوں جرمانے ادا کرتے ۔ نقصان ہر حال میں مُلّا ہی کا ہوتا ۔ کیوں کہ بیوی کا جرمانہ ادا کرنے کی ذمّہ داری بھی انھی کی ہوتی ۔

مُلّا نے سوچا کہ بیوی کو کبھی نہ کبھی ضرور شکست دے کر یہ شرط توڑ لی جائے ۔ چنانچہ یہ سوچ کر انھوں نے حج پر جانے کا منصوبہ بنایا ۔ اُن کا خیال تھا کہ حج سے واپسی میں کئی مہینے لگ جائیں گے ۔ اس دوران بیوی مجھے یاد کرے گی ۔ جب میں کئی مہینے بعد واپس آؤں گا اور اپنے ساتھ بیوی کے لیے کوئی تحفہ بھی لاؤں گا تو وہ تحفہ لے کر "مجھے یاد ہے" کہنا بھول جائے گی اور میں جیت جاؤں گا ۔

خیر اسی پروگرام کے مطابق وہ حج کرنے چلے گئے اور کئی ماہ بعد واپسی پر اپنے ساتھ کچھ تحفے بھی لائے ۔ وہ دل میں بہت خوش تھے کہ آج شرط کا خاتمہ کر دوں گا جس نے انھیں

زبردست مالی نقصان پہنچا رکھا ہے۔ جب وہ گھر کے نزدیک پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بیوی دروازے پر ہی انتظار میں کھڑی ہے اور اس کے ہاتھ میں کوئی گٹھڑی بھی ہے۔

مُلّا نے دل ہی دل میں طے کر لیا کہ وہ بیوی کا تحفہ قبول نہیں کریں گے۔ جُونہی وہ اپنے مکان کے دروازے کے پاس پہنچے بیوی نے آواز دے کر کہا:

"لیجیے! یہ ہے آپ کی امانت۔ پچھلے مہینے خدا نے آپ کو ایک اور بیٹا عطا کیا ہے۔"

مُلّا نے بیٹے کی خبر سُنی تو مارے خوشی کے سب شرط بھُول کر اُسے جلدی سے گود میں لے لیا اور یہ کہنا بھُول گئے کہ "مجھے یاد ہے۔"

پاگل کون؟

مُلّا نصرالدین کا خیال تھا کہ پیری فقیری ایک ڈھونگ ہے۔ جو لوگ صُوفی بنے پھرتے ہیں یعنی رنگین کپڑے پہن کر دوسروں کو بے وقوف بناتے ہیں یہ دراصل خود ہی پاگل ہیں۔ لیکن بہتیرے لوگ اِن کے قائل تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ صُوفی اور بُزرگ خُدا رسیدہ لوگ ہوتے ہیں۔ انھیں دُنیا سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ یہی تو اللہ کے مقبول بندے ہیں۔

مُلّا نے سوچا کہ کسی دن ان کا امتحان لیا جائے تاکہ ان کے اپنے خیال کی تصدیق ہو جائے یا صُوفیوں کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ چنانچہ وہ سیدھے سڑک کی طرف نِکل گئے۔ اِتّفاق سے ایک صُوفی صاحب نظر آ گئے۔ وہ چہرے مُہرے سے واقعی بڑے پہنچے ہُوئے بُزرگ معلوم ہو رہے تھے۔ لانبا قد، گھنی داڑھی۔ شانوں پر کاکلیں پڑی ہُوئی تھیں اور گیروے رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ مُلّا اُن کے پاس پہنچے اور انھیں سلام کر کے ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔

پھر بولے: "محترم! اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں کچھ عرض کروں؟"

صُوفی نے جواب دیا "ہاں ہاں کہو! کیا کہنا چاہتے ہو؟"

ملّا نے کہا "بات دراصل یہ ہے کہ میں ایک تجربہ کرنا چاہتا ہوں جس سے آپ کی بزرگی کا پتا چل جائے گا۔ ساتھ ہی ساتھ مجھے اپنے بارے میں بھی معلوم ہو جائے گا کہ آیا میں پاگل ہوں یا ٹھیک ٹھاک ہوں ۔۔۔!"

صوفی نے کہا "جو کچھ تجربہ کرنا ہو اطمینان سے کرو۔"

ملّا نے جب یہ دیکھا کہ صوفی تجربہ کروانے پر تیار ہو گئے ہیں تو انھوں نے اپنے سیدھے ہاتھ کو دو تین بار پوری قوت سے گھمایا اور اسی دوران مٹھی کس کے بند کر لی۔ پھر ہاتھ روک کر صوفی سے پوچھا:

"بتائیے میرے ہاتھ میں کیا ہے؟"

صوفی نے جواب دیا:

"آپ کی مٹھی میں ایک تانگہ ہے جس میں گھوڑا بھی جُتا ہوا ہے اور کوچوان بھی بیٹھا ہے۔"

ملّا بولے:

"یہ امتحان صحیح نہیں ہوا کیوں کہ تم نے یہ چیزیں دیکھ لی تھیں!"

دُور اندیشی

ملّا نصرالدین نے ایک دن بازار سے کچھ سامان خریدا۔ سامان کا وزن کچھ زیادہ تھا۔ ملّا نے اُسے خود ہی اٹھا کر پیٹھ پر لادا اور چلنا شروع کیا۔ لیکن وہ بے چارے کمزور انسان ٹھہرے۔ اتنا بوجھ بھلا کیوں کر اٹھتا۔ سامان زمین پر گر پڑا اور خود پسینے پسینے ہو گئے۔ اب وہ چاروں طرف دیکھنے لگے کہ شاید کوئی مزدور نظر آئے تو اسے دو چار پیسے دے کر سامان گھر پہنچوایا جائے۔ اتفاق سے انھیں ایک مزدور نظر آ گیا۔ ملّا نے اس سے مزدوری ٹھہرائی اور سامان اس کے اوپر لدوا کر اس طرح چلے کہ خود آگے آگے اور مزدور پیچھے پیچھے تھا۔

تھوڑی دور تک چلنے کے بعد ملّا نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو مزدور غائب تھا۔ انھیں بڑی تشویش ہوئی۔ گھبرا گھبرا کر چاروں طرف دیکھا لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔ وہ پھر واپس اُسی مقام پر آئے جہاں مزدور کو لیا تھا لیکن وہ وہاں بھی نہ ملا۔

چارو نا چار گھر واپس آئے اور بیوی کی گھڑکیاں سُننا پڑیں۔

اِس واقعہ کو ایک مہینہ گزر گیا۔ ایک دِن مُلّا اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں انھیں وہی مزدور دِکھائی دیا۔ انھوں نے اپنے دوستوں کو بھی وہ مزدور دکھایا اور تمام واقعہ کہہ سُنایا۔ لیکن اُسے پکڑا نہیں —!

دوستوں نے پُوچھا کہ جب وہ آپ کو مل گیا ہے تو اس کو پکڑ کر ڈانٹیے اور اس سے اپنا سامان نکلوائیے۔ مُلّا نے جواب دیا:

"تم میں اور ہم میں بس یہی فرق ہے۔ تم لوگ سامنے کی چیز دیکھ کر فیصلہ کرتے ہو، میں ہر بات کو دُور تک دیکھتا ہُوں اور خوب غور کرنے کے بعد فیصلہ کرتا ہُوں۔ اگر میں اُس کو پکڑ لیتا اور وہ مجھ سے ایک مہینے کی مزدوری مانگ بیٹھتا تو میں کہاں سے دیتا۔ ایک مہینہ تو بڑی بات میرے پاس تو اب ایک دن کی مزدوری کے بھی پیسے نہیں ہیں اِس لیے میں نے اُس سے نہ مِلنا ہی مُناسب سمجھا۔"

اِنعام

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین کو اپنے مُلک کے بارے میں کوئی ایسی معلومات حاصل ہو گئی جو بادشاہ کے علم میں لائی جانی ضروری تھی۔ مُلّا اپنے حُبِّ وطن کے جذبے سے مجبور ہو کر سیدھے شاہی دربار پہنچے۔ محل سرا کے داروغہ نے انھیں اندر جانے سے روک دیا۔ مُلّا نے بڑی منت سماجت کی لیکن وہ نہ مانا اور کہنے لگا کہ تم کو بادشاہ جو کچھ اِنعام دے اس کا آدھا مجھے دینے کا وعدہ کرو تو میں تمھیں اندر جانے دُوں گا۔

مُلّا فوراً راضی ہو گئے اور بادشاہ کے سامنے پیشی ہُوئی۔ انھوں نے بادشاہ کی خدمت میں فرشی سلام کیا اور پھر قریب جا کر چپکے سے وہ بات بتا دی جس کے لیے وہ یہاں آئے تھے۔ بادشاہ بہت خوش ہُوا اور بولا:

"بتاؤ تمھیں اتنی اہم خبر لانے پہ کیا اِنعام دیا جائے؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"حضور پچاس کوڑے ___!"
بادشاہ کو بڑا تعجب ہُوا لیکن مُلّا کے اصرار پر
اس نے جلاد کو حکم دے دیا:
"اس آدمی کے پچاس کوڑے لگائے جائیں۔"
حکم ملتے ہی جلاد نے کوڑے لگانے شروع کر
دیے۔ جب پچیس کوڑے پُورے ہو گئے تو مُلّا
نے کہا "بس ٹھہر جاؤ!"
جلاد نے بادشاہ کی طرف دیکھا۔ مُلّا نے بادشاہ
سے مخاطب ہو کر کہا:
"باقی پچیس کوڑے محل سرا کے داروغہ کے لگوائیں
جس سے میں وعدہ کر کے آیا تھا کہ مجھے جو اِنعام
ملے گا اُس کا آدھا اس کو دِلواؤں گا۔"

زبردست عالم

ایک دفعہ کُردستان کا مشہور عالم مُلّا کے گاؤں
پہنچا۔ اُس نے سرائے میں قیام کیا۔ دُوسرے دن
اس نے سرائے کے لوگوں سے ملاقاتیں شروع کر
دیں اور اپنی باتوں سے سب کو متاثر کیا۔ اُس
کی گفتگو سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس کے پاس
علم کا خزانہ ہے۔ وہ ہر مسئلے کو فلسفہ کی روشنی میں
اور ہر فلسفے کو عام فہم انداز میں بیان کرتا۔ لوگ
اس کے علم کے قائل ہو گئے اور عقیدت مندوں
کا حلقہ بڑھتا چلا گیا۔
جب مُلّا کو اس عالم کے آنے کی خبر ہُوئی تو
وہ بھی بھاگے ہُوئے سرائے پہنچے اور اس کی
باتیں خاموشی سے سُنتے رہے۔
جب کافی دیر تک عالم کی باتیں سُن چکے تو
ان سے خاموش نہ بیٹھا گیا۔ وہ اپنی جگہ کھڑے
ہو گئے اور عالم سے یُوں مخاطب ہُوئے،
"جنابِ عالی! میں بھی آپ کی طرح ایک چھوٹا
سا عالم ہُوں۔ میں نے بھی مُلک مُلک کی سیر کی
ہے۔ لوگوں تک عِلم کی روشنی پہنچائی ہے۔ اگر
آپ اِجازت دیں تو میں بھی کچھ اپنے تجربات بیان
کروں۔"
عالم کو مُلّا کی مداخلت بُری لگی لیکن اُس کا
اظہار نہ کیا بلکہ مُلّا سے فرمائش کی کہ آپ بھی
اپنے تجربات سُنائیں۔ مُلّا نے کہنا شروع کیا:
"صاحب! یُوں تو میں کئی مُلکوں میں گیا۔ سفر

کے دوران کردستان جانے کا بھی اتفاق ہوا۔ وہاں
کے لوگ بڑے با اخلاق اور علم دوست ہیں۔ میں
جہاں بھی گیا انھوں نے زبردست خیر مقدم کیا۔
میری باتوں کو توجہ سے سنا۔ سامعین میں بڑے
بڑے عالم اور صوفی بھی موجود ہوتے تھے۔ انھوں
نے بھی بڑی عقیدت سے میری تقریریں سنی۔ میں
جس سرائے میں چاہتا تھا قیام کر لیتا۔ مجھ سے کوئی
پیسہ نہ لیا جاتا تھا۔ کھانا پینا سب مفت تھا۔"

عالم نے ملا کی باتیں سنیں تو بہت کھسایا۔ اس
نے سوچا کہ یہ شخص صرف اپنی تعریف میں زمین
آسمان کے قلابے ملا رہا ہے۔ کام کی ایک بات
نہیں کرتا۔ کافی دیر تک ملا کی لن ترانی سننے کے
بعد وہ بولا:

"محترم! یہ تو آپ سب کہہ چکے۔ اب ذرا یہ
بھی بتائیے کہ آپ نے وہاں کیا باتیں کیں۔ کسی
مقام پہ آپ کی مخالفت بھی ہوئی یا نہیں۔ اگر
ہوئی تو کس بات کی؟ پھر آپ نے کیا جواب دیا؟"

ملا نے جواب دیا:

"جی ہاں جی ہاں! اب میں اسی موضوع پر
آ رہا تھا۔ ایک جگہ نہ صرف میری مخالفت ہوئی بلکہ
لوگوں نے ڈنڈوں سے پیٹنا بھی شروع کر دیا اور
جب تک میں نے ان کے شہر کو خیرباد نہ کہہ دیا
وہاں کے لوگ میرے پیچھے ہی پڑے رہے۔"

عالم نے پوچھا:

"ایسا کیوں ہوا؟"

ملا نے جواب دیا:

"بات دراصل یہ ہے کہ میں اپنی زبان یعنی
ترکی میں تقریریں کر رہا تھا۔ اتفاق کی بات وہاں
کے کچھ لوگوں کو ترکی آتی تھی۔ بس آپ سمجھ
لیجیے کہ وہ کیوں میرے دشمن ہوئے۔"

عالم نے پھر پوچھا:

"جن لوگوں نے آپ کا خیر مقدم کیا تھا وہ
کیسے تھے؟"

ملا نے جواب دیا:

"وہ لوگ کرد تھے۔ وہ صرف اپنی زبان سمجھتے
تھے۔"

فیس کا حساب

ایک مرتبہ ملا نصر الدین کو شہنائی سیکھنے کا شوق

ہُوا۔ وہ اپنے گاؤں کے ایک موسیقار کے پاس گئے اور اس سے شہنائی سکھانے کی فیس پُوچھی۔ موسیقار نے جواب دیا۔

"پہلے مہینے کی فیس تین دینار۔ اس کے بعد ایک دینار ماہانہ"۔

مُلا نے جواب دیا:

"بہت خوب! پھر آپ ایسا کیجیے کہ میرا نام لکھ لیجیے۔ میں دُوسرے مہینے سے شہنائی سیکھنے آیا کروں گا"۔

گرم شوربہ، ٹھنڈے ہاتھ

مُلا نصرالدین کی ذہانت اور تعلیم کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی تھی۔ چنانچہ دُوسرے شہروں اور پاس پڑوس کے مُلکوں میں رہنے والے عِلم دوست لوگ اُن سے ملنے کی تمنّا کرنے لگے تھے۔ ایسے ہی لوگوں میں ایک بہت قابل آدمی تھا۔ اس نے طے کر لیا کہ وہ مُلا کی خدمت میں ضرور حاضر ہو گا اور ان سے عِلم حاصِل کرے گا۔ اس مقصد سے اس نے پیسے پیسے کر کے روپیہ بچایا اور مُلا کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستہ بڑا دُشوار گزار تھا۔ پہاڑوں کے سلسلے تھے۔ ان کے بیچ میں پگڈنڈیوں کے اُوپر چلنا پڑتا تھا۔ مُلا کے اس عاشق نے ہزاروں مُصیبتوں کے باوجُود اپنا سفر جاری رکھا۔ اس کا خیال تھا کہ مُلا جیسے جیّد عالم سے وہ ضرور کچھ نہ کچھ سیکھ لے گا کیوں کہ علم محض کتابوں سے ہی نہیں مِلتا اس کے لیے کسی لائق اُستاد کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

اس شخص نے کچھ لوگوں سے یہ بھی سُن رکھا تھا کہ مُلا میں کچھ سنک بھی ہے۔ چنانچہ اسے یہ بھی فکر تھی کہ صحیح حالت معلوم ہو جائے۔ وہ پہلے بھی کتنی عالموں سے مل چُکا تھا اور متعدّد درس گاہوں میں جا چُکا تھا۔ اس کو یقین تھا کہ وہ ایک مُلاقات میں یہ پتا چلا لے گا کہ مُلا کیا کچھ جانتے ہیں اور مجھے کتنا عِلم سکھا سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ شخص مُلا کے پاس پہنچا۔ اُن کا مکان ایک پہاڑی کی چٹان پر تھا۔ قریب پہنچ کر اس نے کھڑکی سے جھانکا تو دیکھا کہ مُلا

آتش دان کے قریب بیٹھے اپنے دونوں ہاتھوں کی
ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑتے جاتے ہیں اور منہ
سے پھونکتے جاتے ہیں۔ اس آدمی کو بڑا تعجب
ہوا اور گھر میں داخل ہوتے ہی اُن سے پُوچھا:
"قبلہ! آپ ابھی کیا کر رہے تھے؟"
مُلّا نے جواب دیا:
"وہ۔ میں اپنی پھونک سے اپنے ہاتھ گرم کر
رہا تھا۔"
اس سوال جواب کے بعد دونوں طرف خاموشی
طاری ہو گئی اور دونوں میں سے ایک بھی نہ بولا۔
تھوڑی دیر بعد مہمان نے دل ہی دل میں کہا:
"معلوم ہوتا ہے مُلّا اپنا علم مجھے نہ سکھائیں
گے۔" مہمان ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ مُلّا کی
بیوی دو پیالوں میں شوربہ لے کر آئیں۔ نصرالدین
نے پیالہ اپنے ہاتھ میں لیا اور منہ سے شوربہ
کو پھونکنا شروع کر دیا۔ مہمان نے سوچا کہ چلو
اب کچھ سیکھا جائے۔ چنانچہ اس نے مُلّا سے
پوچھا۔
"اُستاد جی! آپ کیا کر رہے ہیں؟"

مُلّا نے جواب دیا:
"میں ذرا شوربہ ٹھنڈا کرنے کے لیے اس کو
پھونک رہا ہوں۔"
مہمان چکر میں آ گیا۔ اس نے طے کر لیا کہ مُلّا
عالم والم کچھ بھی نہیں ہے بس ایک دھوکہ باز
آدمی ہے اور دُوسروں کو بے وقوف بنایا کرتا ہے
اس نے اپنے آپ سے کہا:
"ابھی یہ پاگل پھونک سے ہاتھوں کو گرم کر
رہا تھا۔ اب اسی پھونک سے شوربے کو ٹھنڈا
کر رہا ہے۔ بھلا ایک پھونک سے دو کام بھی
ہو سکتے ہیں۔ ایسے جھوٹے آدمی پر کیا اعتبار
کیا جائے۔ اب اس سے مزید کچھ پوچھنا بے کار
ہے۔"
سوچ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ مُلّا سے رخصت چاہی
اور مکان سے باہر نکل آیا۔ مُلّا نے بھی اُسے
روکنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ اگر روکتے تو اس
کے کھانے پینے کا بندوبست کرنا ہوتا جو مُلّا کے
لیے ناممکن تھا۔
اُس آدمی نے گھر سے نکل کر پہاڑی راستہ طے

کرتے وقت سوچا:
"میرا وقت بالکل برباد نہیں ہوا کیوں کہ یہاں آنے سے کم از کم یہ تو یقین ہو گیا کہ ملّا عالم نہیں ہے۔"

سائنس

ایک مرتبہ ایک سائنس دان اور ایک فلسفی اکٹھا ملّا کے پاس پہنچے اور اُن سے مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال شروع کیا۔ ان دونوں کے درمیان ملّا ایک سوال کا بھی جواب نہ دے سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سائنس دان نے ملتے ہی ملّا پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ میں صرف دو صورتوں میں آپ کی بات ماننے کو تیار ہو سکتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ آپ جو دعویٰ کریں اس کو میں تجربہ کے ذریعے سچ پاؤں۔ دوسرے یہ کہ میں اپنی آنکھوں سے کسی چیز کو دیکھ لوں۔ ان کے علاوہ تیسری بات میں کسی قیمت پر نہ مانوں گا۔"

فلسفی نے بھی ملّا کو شروع میں جتا دیا:
"میں صرف ان ہی مسئلوں پر بات چیت کر سکتا ہوں جن کے بارے میں پہلے سے غور و فکر کر چکا ہوں اور جس کے ہر چھوٹے بڑے پہلو سے واقف ہوں۔ کسی نئے موضوع پر بات پھر کبھی ہو گی۔"

تینوں آدمی باتیں کرتے ہوئے ایک راستے سے گزر رہے تھے۔ سڑک کے کنارے ایک جھیل تھی۔ ملّا اچانک اُس کے کنارے بیٹھ گئے اور کوئی چیز اس میں ڈالنے لگے۔ سائنس دان اور فلسفی کو بڑا تعجب ہوا۔ انھوں نے ایک ہی آواز میں پوچھا:
"ملّا! یہ کیا کرنے لگے ہو؟ ابھی تو اچھے خاصے ہمارے ساتھ چل رہے تھے۔"

ملّا نے جواب دیا۔
"تمھیں معلوم ہے جب تم تھوڑا سا دہی دودھ میں ڈالتے ہو تو وہ کس طرح تمام دودھ کو جما دیتا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ کیوں نہ اس ضامن کو جھیل کے پانی میں ڈال کر دیکھا جائے کہ اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ آیا یہ جمتا ہے یا نہیں۔؟"

سائنس دان نے کہا:

"یہ سراسر بے وقوفی ہے کہ پانی کو دہی بنایا جائے
دُودھ سے دہی بنتا ہے۔ پانی سے تھوڑا ہی بنتا
ہے؟"

مُلّا بولے:

"جی ہاں۔ جی ہاں۔ اِتنی سی بات میں بھی
جانتا ہُوں لیکن تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لینے
میں کیا حرج ہے۔ آپ لوگ بھی تو ہر بات
شروع کرنے سے پہلے ہمیشہ کچھ نہ کچھ اُلٹا
سیدھا فرض کر لیتے ہیں۔"

گدھے کی خریداری

ایک مرتبہ مُلّا نصرُالدّین ٹھگوں کے چکّر میں آ
گئے۔ ہُوا یہ کہ مُلّا کا گدھا مر گیا۔ گدھا مُلّا کو
بہت زیادہ عزیز تھا۔ ہر وقت اُن کے دم کے
ساتھ رہتا تھا۔ اس کی وجہ سے مُلّا کو بے حد
آرام تھا۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ
گدھا اُن کا شریکِ حیات تھا۔ کافی عرصہ تک
اُس کے مرنے کا غم کرنے کے بعد دُوسرا گدھا
خریدنے کی تیاری کی۔ بیوی کی خوشامد کر کے

اِتنے رُوپے [illegible] گدھا خریدا جا سکے۔
رُوپے لے کر سیدھے منڈی گئے اور ایک اچھا
سا گدھا خرید لیا۔ اب گدھے کی رسّی ہاتھ میں
پکڑ کر گھر کی طرف چلے۔ راستے میں کچھ ٹھگ
مِل گئے۔ انھوں نے گدھا غائب کرنے کی ترکیب
سوچی۔

مُلّا پر کچھ نیند کا غلبہ تھا۔ وہ اُونگھتے ہُوئے
جا رہے تھے۔ چنانچہ ایک ٹھگ نے گدھے کی
گردن سے رسّی نکال کر اپنے گلے میں ڈال لی
اور گدھے کو دوسرے کے حوالے کر دیا۔ جب
گھر کا دروازہ آیا تو مُلّا نے پیچھے مُڑ کر دیکھا
اور اُنھیں سخت حیرت ہُوئی۔ انھوں نے سوچا:

"یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے ابھی تو گدھا لے کر
چلا تھا۔ یہ اِنسان کیسے بن گیا۔"
لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ بہرحال انھوں نے
خُود ہی اس ٹھگ سے پُوچھا:

"بھلے مانس! تُم کون ہو اور اس رسّی میں
کیوں کر بندھ گئے۔ تمھیں معلوم نہیں میں نے
تو ایک گدھا باندھا تھا اور اسی کو لے کر چلا

تھا۔"

ٹھگ نے جواب دیا:

"حضور! آپ نے مجھ پر بڑا رحم کیا ہے۔
میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔ میرا
قصہ بڑا دردناک ہے ..."

مُلّا نے کہا:

"بتاؤ تمہارا کیا قصہ ہے۔"

ٹھگ نے جواب دیا:

"بات یہ ہے کہ میں ایک گنہ گار انسان ہوں
میں نے اپنی ماں کو بہت ستایا تھا۔ کبھی اُن کا
کہنا نہ مانتا تھا اور نہ اُن کی کبھی خدمت کی۔
اللہ تعالیٰ نے مجھے اس گستاخی کی وجہ سے گدھا
بنا دیا۔ گدھا بن کر مجھے بہت تکلیفیں اٹھانی پڑیں
مار کھانی پڑی اور دن بھر بوجھ ڈھونے
پڑے۔ پھر بھی میرا مالک مجھ سے خوش نہ تھا
وہ کہتا تھا کہ میں ایک "مریل گدھا" ہوں۔ چنانچہ
اسی وجہ سے اُس نے آپ کے ہاتھ فروخت کر
دیا۔ آپ جیسے فرشتہ صفت اور بزرگ انسان کی
برکت سے میں پھر انسان کی شکل میں آ گیا۔
یہ سب آپ کا احسان ہے میرے مالک!"

مُلّا نے جو یہ داستان سنی تو ان کا جی بھر آیا۔
انھوں نے اس ٹھگ کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور کہا:

"جاؤ آئندہ ماں کا کہنا ماننا۔"

ٹھگ نے مُلّا کو جھک کر سلام کیا اور گھر سے
نکل گیا۔ مُلّا کھڑے ہنستے رہے اور دل میں خوش
تھے کہ انھوں نے ایک انسان کو تکلیف سے
نجات دلا دی۔ اب مُلّا کو پھر روپوں کی ضرورت
ہوئی تاکہ گدھا لایا جا سکے۔ اب کے اُن
کی بیوی نے پاس پڑوس سے قرض لے کر اُن
کو روپیہ دیا۔

دوسرے دن منڈی پہنچے تو وہی گدھا
جو انھوں نے کل خریدا تھا آج پھر بندھا ہوا
پایا۔ مُلّا لپکے ہوئے اس کے پاس گئے اور
جھک کر کان میں بولے:

"کیوں جناب! آپ نے میری نصیحت نہ
مانی۔ پھر گدھے بن گئے۔ واقعی آپ گدھے ہیں
اور اسی حالت میں آپ کو رہنا چاہیے ...
اب میں آپ کو انسان نہ بنواؤں گا۔ آج کوئی

دوسرا گدھا خریدوں گا!"

سچ کی قیمت

ایک دن مُلّا نصرالدین اپنے عقیدت مندوں سے مخاطب تھے۔ تقریر کے دوران ایک مقام پر مُلّا نے کہا:

"اگر آپ کو حق کی جستجو ہے اور آپ سچ کی تلاش میں ہیں تو آپ کو اس کی قیمت بھی ادا کرنی ہو گی۔ معاوضے کے بغیر آپ کو یہ چیزیں نہ مل سکیں گی۔"

کسی نے پوچھ لیا:

"مُلّا! یہ بات ہم نے آج پہلی بار سُنی کہ سچائی بھی قیمت سے ملتی ہے، حق بھی معاوضے سے ملتا ہے۔"

مُلّا نے فوراً جواب دیا:

"کیوں نہیں؟ کیوں نہیں؟ آپ نہیں جانتے کہ چیزوں کی قیمتیں ان کے ملنے نہ ملنے پر منحصر ہیں۔ کوئی چیز جس قدر کم یاب ہو گی۔ اس کی قیمت اتنی ہی زیادہ ہو گی۔"

خطرہ کبھی مول نہ لیں!

مُلّا نصرالدین کے زمانے میں ایک بہت بڑا عالم تھا جو شریعت کا تو قائل تھا لیکن طریقت کو نہ مانتا تھا یعنی روحانیت اور تصوف کو بے بنیاد باتیں سمجھتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ بزرگانِ دین کو بھی نہیں مانتا تھا۔

ایک مرتبہ وہ سخت بیمار پڑا۔ حکیموں نے جواب دے دیا۔ جب اس نے دیکھا کہ بچنے کی کوئی اُمید نہیں ہے تو سوچا کہ چلو! کسی بزرگ سے دُعا کروائی جائے۔ شاید کسی اللہ والے کی دُعا سے میں اچھا ہو جاؤں۔

اس خیال کے آتے ہی اس نے مُلّا کو بلوا بھیجا۔ مُلّا اس زمانے میں بڑے دین دار بزرگ مانے جاتے تھے۔ جب مُلّا اس کے پاس پہنچے تو اس نے کہا:

"صوفی صاحب! آپ اللہ سے دُعا کریں کہ میں اچھا ہو جاؤں۔ حکیم تو جواب دے چکے ہیں۔"

مُلّا اس عالم کو پہلے سے جانتے تھے۔ اس کے

بدلے ہُوئے خیالات سُن کر ان کو بڑی خُوشی ہُوئی۔ اُونچی آواز میں بولے "آخر کار تم آگئے نا سیدھے رستے پر۔ میں دُعا کرتا ہُوں اللہ سے بھی اور شیطان سے بھی ـــ!"

مُلّا کے یہ الفاظ سُن کر عالم آگ بگولا ہوگیا ناطاقتی کے باوجود اُٹھ کر بیٹھ گیا اور گرج کر بولا:

"کیا بکتے ہو تُم! کہیں پاگل تو نہیں ہو۔ میرے سامنے شیطان سے دُعا مانگ رہے ہو۔"

مُلّا نے پُورے اطمینان سے جواب دیا:

"نہیں جانِ من! میں بالکل ٹھیک ہُوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ تم اِس حالت میں ہو کہ کوئی خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔ جلد از جلد تم کو اچھا ہونا چاہیے اس لیے میری سمجھ میں دو ہی رستے نظر آئے۔ ایک اللہ کا دُوسرا شیطان کا۔ جس کے اختیار میں ہو گا اچھا کر دے گا۔ اور اگر بالفرض اللہ صحت دے گا تو شیطان گڑ بڑ تو نہ کر سکے گا۔"

غالباً حلوا

ایک دِن ایک مذاقیہ آدمی مُلّا کے پاس آیا اور کہا:

"سُنا ہے تم بڑے اچھے قیافہ شناس ہو۔ اشاروں میں بات کی تہہ کو پہنچ جاتے ہو۔ ذرا بتاؤ تو ـــ میری جیب میں کیا ہے؟"

مُلّا نے انکساری سے کام لیتے ہُوئے کہا:

"قیافہ شناس تو کیا خاک ہُوں، البتہ کبھی کبھار صحیح غلط تاڑ لیتا ہُوں۔"

"اچھا تو پھر جلدی سے بتاؤ میری جیب میں کیا ہے؟" اس آدمی نے اپنی جیب دِکھاتے ہُوئے پُوچھا:

"اچھا میں ابھی بتاتا ہوں۔ تم کچھ اشارہ دو۔"

مُلّا نے دماغ پر زور ڈالتے ہُوئے کہا:

"کھانے کی چیز ہے۔ گول گول بالکل انڈے کی طرح ہوتی ہے۔ اس کے اندر زردی بھی ہوتی ہے اور سفیدی بھی۔ بتاؤ کیا ہے ـــ؟"

اُس نے اشارہ دیا۔

"تو پھر میں سمجھ گیا۔ تمھاری جیب میں غالباً حلوا ہے!" مُلّا نے فاتحانہ شان سے جواب دیا۔

سوداگر

ایک دفعہ ایک بہت بڑا سوداگر مُلّا نصرالدین کے گاؤں آ نکلا۔ یہاں ہر ہفتے منڈی لگتی تھی جہاں آس پاس کے گاؤں دیہات والے بھی شریک ہوتے تھے۔ سوداگر نے جو یہ منڈی دیکھی تو وہ کچھ روز کے لیے ٹھہر گیا اور بڑے پیمانے پر خرید و فروخت کی۔

جب گاؤں والوں نے دیکھا کہ ایسا رئیس تاجر اُن کے درمیان موجود ہے تو سب اس کا ادب احترام کرنے لگے۔ جس کو دیکھو بھاگا ہوا سوداگر کے پاس چلا جا رہا ہے اور اُسے جھک جھک کر سلام کر رہا ہے۔ مُلّا نے جب یہ منظر دیکھا تو بہت ناراض ہوئے اور گاؤں والوں کی عقل کا ماتم کرنے لگے۔

ایک دن مُلّا نے ایک آدمی کو سوداگر کے آگے فرشی سلام کرتے دیکھ لیا۔ یہ جھٹ اُس کے پاس پہنچے اور اُس سے بولے:

"ارے تم کس قدر بے وقوف ہو۔ روزانہ اُس رئیس کی خدمت میں حاضری دیتے ہو۔ کبھی کچھ ملا بھی ہے؟"

اُس آدمی نے جواب دیا:

"آپ کی سمجھ میں یہ بات نہ آسکے گی مُلّا جی! یہی کیا کم ہے کہ وہ بڑا سوداگر ہے اور مجھ سے بات کرنے میں عار محسوس نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ مجھے یقین ہے کہ وہ کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ ضرور دے گا۔"

مُلّا اور اُس آدمی کے درمیان اس بات چیت کے کوئی ایک ہفتہ کے بعد سوداگر اُن کے گاؤں سے چلا گیا۔ کئی دن بعد مُلّا بازار گئے اور وہاں ایک دکان سے تین درجن تربوز خریدے اور کچھ نقصان پر دوسرے دکان دار کے ہاتھ فروخت کر دیے۔ پھر کسی دکان سے خربوزے خریدے اور وہ بھی کسی قدر نقصان پر بیچ ڈالے اسی طرح کئی چیزیں یکے بعد دیگرے خریدیں اور

کم قیمت پر فروخت کر دیں۔ کافی دیر تک اُلٹی تجارت کرنے کے بعد واپس چائے خانے پہنچے دوسرے لوگ بھی وہاں بیٹھے تھے۔ مُلّا کو دیکھ کر سب ان کے قریب آ گئے۔ مُلّا نے ان کے لیے سبز چائے کا آرڈر دیا اور ساتھ ہی بسکٹ بھی لانے کو کہا۔

اسی وقت کسی نے مُلّا سے پُوچھ لیا:

"کیوں مُلّا صاحب! آپ یہ نقصان کی تجارت کیوں کرتے ہیں؟"

مُلّا نے گرج کر جواب دیا:

"تم کو یہ سوال کرنے کی جرأت کیسے ہوئی۔ تم کو تو ہمارا ادب کرنا چاہیے۔ میں ایک سوداگر ہوں اور ایک نہ ایک دن تم لوگوں کو بھی کچھ نہ کچھ عطا کر دوں گا۔"

دعویٰ بہت ہے...

ایک مرتبہ ایک شخص مُلّا نصرالدین کے پاس آیا اور ادب سے بولا:

"جناب! آپ کو علمِ ریاضی میں بڑا دعویٰ ہے۔ میرے سوال کا جواب دے دیں تو میں آپ کے دعوے کو درست سمجھوں گا۔"

مُلّا نے سوال پُوچھا تو اس آدمی نے کہا:

"یہ بتائیے کہ اگر میرے پاس آٹھ دینار ہوں اور میں انھیں تین آدمیوں میں برابر برابر تقسیم کرنا چاہوں تو ہر ایک کو کیا ملے گا؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"یہ بھی کوئی مشکل سوال ہے۔ تینوں آدمیوں میں سے کسی دو کو چار چار دینار دے دو اور تیسرے آدمی کو فی الحال کچھ بھی نہ دو۔ جب تمھارے پاس چار دینار ہو جائیں تو وہ تیسرے کو دے دینا۔"

الصّلوٰۃُ خیرٌ مّن النّوم

ایک دن مُلّا نصرالدین نے اپنے محلّے کی مسجد میں فجر کی اذان بڑی خوش الحانی سے دی۔ نمازیوں کو تعجب ہُوا کہ آج مُلّا کی آواز میں اِس قدر رس کہاں سے آ گیا۔ خود مُلّا کو بھی اپنی اذان بہت اچھی لگی۔ جب اذان دیتے ہُوئے وہ

الصلوٰۃ خیرٌ من النوم پر پہنچے تو دل میں نہ جانے کیا خیال آیا، چبوترے سے اُتر کر مسجد سے باہر نکل گئے اور ایک سمت کو بھاگنا شروع کر دیا۔

راہ گیروں نے پوچھا:

"ملّا! اذان دے کر کہاں بھاگ رہے ہو؟"

مُلّا نے جواب دیا:

بات دراصل یہ ہے کہ میں نے خود اذان دی ہے اور وہ مجھے اچھی بھی لگی اس لیے یہ دیکھنے جا رہا ہوں کہ میری آواز کہاں تک پہنچی!"

پاکٹ بک سیریز

- آغا خان
- امام رازی
- ابنِ عربی
- امام ابن تیمیہ
- البیرونی
- امیر تیمور
- امام غزالی
- اکبر اعظم
- اکبر اعظم کے نورتن
- اورنگ زیب عالمگیر
- امیر خسرو
- بلھے شاہ
- بابا فرید گنج شکرؒ
- جہانگیر
- چاند بی بی
- حضرت امام حسینؓ
- حضرت عثمانؓ
- حضرت عمر فاروقؓ
- حضرت علاؤالدین صابرؒ
- حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ
- حضرت عائشہؓ
- حضرت عیسیٰؑ
- حضرت موسیٰؑ
- حضرت علیؓ
- حضرت ابوبکر صدیقؓ
- حیدر علی
- خواجہ معین الدین چشتیؒ
- خالد بن ولید
- داتا گنج بخشؒ
- رضیہ سلطانہ
- زرتشت
- سلیمان اعظم
- سلطان محمد فاتح
- سر سید احمد خان
- سید احمد شہید
- سید امیر علی
- سلطان ٹیپو
- سراج الدولہ
- شاہ ولی اللہ
- شیر شاہ سوری
- شاہ عبداللطیف بھٹائی
- شاہ جہاں
- صدر ایوب
- صلاح الدین ایوبی
- طارق بن زیاد
- ظہیر الدین بابر
- عمر بن عبدالعزیز
- علاؤالدین خلجی
- غوث اعظمؒ
- کمال اتاترک
- قائد اعظم محمد علی جناح
- مولانا احمد رضا خان
- مجدد الف ثانیؒ
- مولانا روم
- محترمہ فاطمہ جناح
- مہاتما بدھ
- محمد بن قاسم
- محمود غزنوی
- نور جہاں
- وقار الملک
- وارث شاہ
- ہارون رشید
- یاجوج ماجوج

فیروز سنز بک کارپوریشن لمیٹڈ

ملا نصر الدین کے لطیفے
4
BOOK
CORPORATION
LIMITED
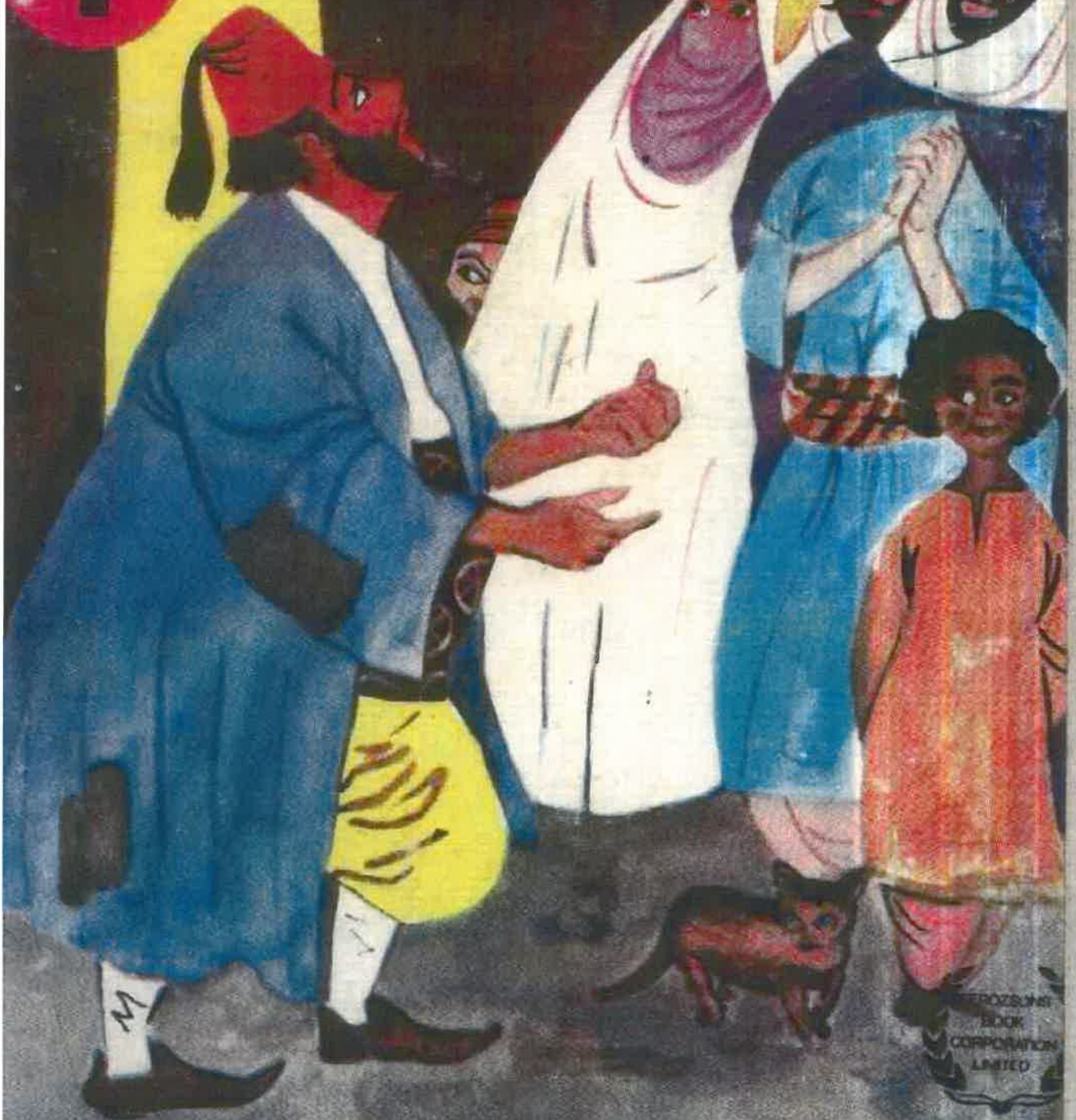
مُلّا نصر الدّین کے لطیفے

چوتھا حصّہ

سیّد سعید احمد

فیروز سنز بک کارپوریشن لمیٹڈ

لاہور راولپنڈی پشاور حیدرآباد کراچی

پہلی بار : ۱۹۷۳
تعداد : ۳۰۰۰
قیمت : ۱.۰۰
مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور باہتمام عبدالحمید خاں پرنٹر پبلشر

اِستدلال

ایک دفعہ کا ذکر ہے مُلّا نصرالدین بیچ بازار میں ایک کرسی ڈال کر اُس پر کھڑے ہوگئے اور ہاتھ کے اشارے سے راہ گیروں کو اپنی طرف بُلانے لگے۔ لوگوں نے جب مُلّا کو اس طرح بلاتے دیکھا تو اُن کا اِشتیاق خود بخود بڑھنے لگا اور وہ مُلّا کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں ایک جمِ غفیر لگ گیا۔ اب مُلّا نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"میں آپ لوگوں کو ایک ایسی بات بتانا چاہتا ہوں جو اس سے پہلے کسی نے نہ بتائی ہوگی۔ وہ بات یہ ہے کہ آپ کے اردگرد اور اُوپر جس قسم کی ہوا موجود ہے بالکل ویسی ہی ہوا دوسرے گاؤں میں بھی موجود ہے" کسی نے سوال کیا:

"چلیے ہم نے مان لیا کہ آپ کی بات صحیح ہے لیکن یہ بھی تو بتائیے کہ آپ نے یہ بات سوچی کیسے، اور آپ کے اس دعوے کا کوئی ثبوت بھی ہے؟" مُلّا نے جواب دیا:

"میں ہر بات اچھی طرح سوچ سمجھ کر کہتا ہوں اور جو کچھ کہتا ہوں وہ مضبوط دلائل کے ساتھ کہتا ہوں۔ اب اگر آپ میرا امتحان لینا چاہتے ہیں تو سنیے۔ میں آپ کے گاؤں میں تو آج آیا ہوں لیکن دوسرے گاؤں میں کئی مرتبہ جا چکا ہوں۔ میں نے دونوں جگہ دیکھا کہ آسمان پر ایک جیسے ستارے چمک رہے ہیں۔ تعداد بھی ایک جیسی ہے اور چمک دمک بھی ویسی ہی ہے۔ اس سے نتیجہ نکالا کہ آسمان اور زمین کے درمیان جو ہوا بھری ہوئی ہے وہ بھی دونوں گاؤں میں ایک سی ہوگی!"

• تجربہ سچائی کی کسوٹی ہے

ایک دن ایک آدمی مُلّا کے پاس آیا اور اس نے ان سے کچھ روپے قرض مانگے۔ مُلّا اس آدمی کو پہلے سے جانتے تھے۔ وہ نہایت غریب اور بدحال آدمی تھا۔ اُس کی مالی حالت ایسی نہ تھی کہ قرض لے کر واپس کر سکتا۔ تاہم مُلّا کو اُس پر بڑا ترس آیا اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ اُن کے روپے پھنس جائیں گے انھوں نے اُس کو قرض دے دیا۔

چند ہی روز کے اندر اس شخص نے مُلّا کا قرض ادا کر دیا۔ جب وہ قرض ادا کرنے کی نیت سے مُلّا کے پاس پہنچا تو انھیں بڑا تعجب ہوا۔ بہرکیف انھوں نے بخوشی اپنی رقم واپس لے لی۔ کچھ دنوں کے بعد وہ آدمی پھر کچھ روپے اُدھار لینے کے لیے آ پہنچا اور مُلّا سے بولا:

"دیکھیے میں پچھلی بھی وعدہ کے مطابق جلد ہی پیسے واپس کر گیا تھا۔ اس مرتبہ بھی وقت سے پہلے ہی رقم مل جائے گی۔ آپ میرا کام نکال دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔"

مُلّا نے جو اُس آدمی کی بات سنی تو سخت غصہ آیا اور جھڑک کر بولے:

"تم بڑے دھوکے باز معلوم ہوتے ہو۔ اس سے پہلے بھی تم مجھے دھوکہ دے چکے ہو اور یقیناً اس بار بھی دھوکہ دینے سے باز نہ آؤ گے۔ تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ قرض ورض کچھ نہ ملے گا۔"

بے چارے غریب آدمی کو بڑا تعجب ہوا۔ اُس نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا:

"مُلّا جی! کیا دھوکہ! میں نے تو آپ کو کوئی دھوکہ

نہیں دیا؟" ملّا نے جواب دیا۔
"پچھلی بار مجھے یقین تھا کہ تم روپے واپس نہیں کرو گے لیکن تم اتنی جلدی واپس کر گئے۔ یہ دھوکہ نہیں تو اور کیا ہے۔ اس بار میرا دل کہتا ہے کہ تم روپے واپس کر دو گے تو یقیناً تم میری رقم لے کر غائب ہو جاؤ گے۔"

• خوش خبری

مشرقی ممالک میں رواج ہے کہ جب کوئی آدمی کوئی خوش خبری لے کر کسی دوسرے کے گھر جاتا ہے تو اس کو انعام دیا جاتا ہے۔ ملّا نصرالدین بھی اس قاعدے سے واقف تھے۔ چنانچہ ایک دن وہ چوراہے پر کھڑے ہوگئے اور لوگوں کو چیخ چیخ کر اپنی طرف بلانے لگے۔ ملّا کی زبان پر بس یہ الفاظ تھے:
"لوگو! یہاں آؤ میں تمہارے لیے ایک خوش خبری لایا ہوں۔" جب اُن کے گرد اچھا خاصا مجمع لگ گیا تو انھوں نے کہنا شروع کیا:
"بھائیو! خوش خبری سننے سے پہلے تم سب میرے ڈھولوں کا انتظام کر لو کیونکہ میں جو کچھ سنانا چاہتا ہوں وہ تم میں سے ہر ایک کے لیے اچھی خبر ہے۔"
لوگوں نے سوال کیا:
"انعام ضرور ملے گا۔ آپ بتائیں تو سہی۔ ایسی کون سی خوش خبری ہے جو سب کے لیے ہے؟"
ملّا نے کہا:
"دوستو! خوب شادیانے بجاؤ۔ اللہ پاک نے تمہارے ملّا کو ایک چاند سا بیٹا عطا کیا ہے!"

• بھکاری کُتا

ملّا نصرالدین عقلمند بہت تھے لیکن ان میں ہمت کم تھی۔ اس لیے جب کوئی معاملہ ایسا سامنے آتا تھا جس میں ہمت کی ضرورت ہوتی تو ملّا اس سے کنی کترا جاتے اور دل کو سمجھا لیتے کہ ہر موقع پر ہمت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ سمجھ سے کام لینا چاہیے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ قبرستان میں بیٹھے ہوئے عبادت کر رہے تھے۔ اچانک

ان کی نظر ایک خونخوار کتے پر پڑی جو قریب
ہی ایک قبر کے پاس بیٹھا تھا۔ مُلّا نے یہ سوچا
کہ یہ کتا بڑا بدتمیز ہے جو ان کی عبادت میں
میں خلل ڈال رہا ہے اور مزار کی بھی بے حرمتی
کر رہا ہے۔ چنانچہ یہ سوچ کر انھوں نے دل
مضبوط کر کے اپنا بید ہوا میں لہرایا اور کتے
کو دھتکارا۔ کتا مُلّا کی دھتکار سن کر ان کی طرف
غراتا ہوا لپکا۔ مُلّا دل میں بہت ڈرے۔ انھوں
نے سوچا کہ کہیں کتا خود انہی پر حملہ نہ کر دے۔
بس یہ خیال آنا تھا کہ مُلّا کے حوصلے پست ہو گئے
انھوں نے کتے کو مخاطب کر کے کہا:
"دیکھیے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے اگر آپ مزار
والے بزرگ کے قدموں میں لوٹ رہے ہیں تو
خوشی سے لوٹیے۔ میں اپنے کام میں لگا ہوں۔
بس میری طرف آنے کی کوشش نہ کیجیے گا۔"

• حقیقت یا افسانہ

جس زمانے میں مُلّا نصیرالدین قاضی کے عہدے
پر فائز تھے، ان کی عدالت میں ایک بڑا مشکل مقدمہ
پیش ہوا۔ مقدمہ یہ تھا کہ ایک آدمی جس کا کان کٹا
ہوا تھا عدالت میں آیا اور درخواست دی کہ فلاں
شخص نے میرا کان کاٹ لیا ہے اس کو اس جرم
کی سزا ملنی چاہیے۔ ملزم کا جواب تھا:
"حضور یہ غلط کہتا ہے۔ اس کا کان میں نے نہیں
کاٹا۔ اس نے مجھے پھانسنے کے لیے یہ جھوٹا مقدمہ کھڑا
کیا ہے۔ اس نے خود ہی اپنا کان کاٹا ہے۔"
مُلّا نے مدعی اور ملزم دونوں کے بیان سننے
کے بعد کہا:
"مقدمے میں گواہوں کی ضرورت ہے۔"
چونکہ موقع واردات پر کوئی گواہ نہ تھا اس لیے
فیصلہ بہت دشوار تھا کہ کان خود مدعی نے کاٹا
ہے یا ملزم نے۔ مُلّا نے کہا:
"آپ لوگ تھوڑی دیر انتظار کریں۔ میں خوب
اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ سناؤں گا۔"
یہ کہہ کر وہ کھڑے ہو گئے اور عدالت سے ملے
ہوئے آرام کمرے میں چلے گئے۔ وہاں کرسی پر لیٹ
کر مقدمے کے بارے میں سوچنے لگے۔ کچھ دیر تک
ان کی عقل میں کچھ نہ آیا تو انھوں نے اپنا کان خود

اپنے دانتوں سے کاٹنے کی کوشش شروع کردی۔ کان تو کیا کٹتا البتہ مُلّا کرسی سے نیچے گر پڑے۔ اوندھے منہ گرنے سے اُن کے ماتھے پر خراشیں پڑگئیں اور خون چھلک آیا۔ کوئی آدھے گھنٹے کے بعد وہ دوبارہ کرسیِ عدالت پر آکر بیٹھے تو بڑے اعتماد کے ساتھ کہنا شروع کیا:

"مدعی کے ماتھے کا معاینہ کیا جائے۔ اگر اس کے ماتھے پر خراشیں نظر آئیں تو ملزم کو بے قصور سمجھا جائے۔ ورنہ یہ سمجھ لیا جائے کہ ملزم نے مدعی کا کان کاٹا ہے اور وہی اصل مجرم ہے۔"

• ناقابلِ انتقال

ایک مرتبہ مُلّا کے پڑوس میں ایک ایسا آدمی آکے بسا جو بڑا نمازی اور پرہیزگار تھا اور دین کا بھی خاصا علم رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ بزرگوں اور اللہ والوں کی باتوں میں بھی بڑی دل چسپی لیتا تھا۔ مُلّا نے سوچا کہ اس شخص میں ایسی تمام خوبیاں موجود ہیں جو اُسے اللہ کی راہ پر ڈال سکتی ہیں۔ صرف تھوڑی سی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ

ایک دن وہ اُس آدمی کے پاس پہنچے اور علیک سلیک کے بعد بولے:

"مجھے آپ کی ذات میں کچھ ایسی خوبیاں نظر آئی ہیں جو آپ کو بڑا اونچا مرتبہ عطا کرسکتی ہیں بشرطیکہ آپ ان کی تربیت حاصل کرسکیں۔ میں اس سلسلے میں آپ کی خدمت کرسکتا ہوں۔"

پڑوسی نے جواب دیا:

"مُلّا صاحب! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں تو ایک گناہ گار بندہ ہوں۔ البتہ اگر آپ کی صحبت سے کچھ حاصل کرلوں تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔ آپ جس وقت مناسب سمجھیں میرے پاس آجائیں۔ پھر اطمینان سے بات چیت ہوگی۔"

مُلّا کو پڑوسی کے اس جواب پر بڑی مایوسی ہوئی۔ اُنھوں نے اس کے بارے میں جو کچھ سوچ رکھا تھا وہ غلط ثابت ہوا کیونکہ یہ بات ایک آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ تصوّف کا علم زبانی جمع خرچ سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے لیے برسوں کی عبادت اور کسی صوفی کامل کی طویل صحبت درکار ہوتی ہے جب کہ پڑوسی صاحب ایک ملاقات اور بات چیت کے ذریعے

اللہ کی معرفت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مُلّا نے اُس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی کے ساتھ اس کے گھر سے نکل آئے۔

اس واقعہ کو کئی دن گزر گئے۔ ایک دن اچانک مُلّا نے اس پڑوسی کو چھت پر سے آوازیں دیتے سُنا۔ وہ کہہ رہا تھا:

"مُلّا جلدی آؤ۔ میرے چولھے کی آگ بُجھی جا رہی ہے۔ تم آکر پھونک دو۔"

مُلّا نے اپنے گھر ہی سے جواب دیا:

"ہاں ہاں! یہاں آؤ۔ جتنی پھونکوں کی ضرورت ہو یہاں آکر لے جاؤ۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

• میرا کام نہیں

ایک دفعہ مُلّا نصیرالدین کا گدھا چوری ہو گیا۔ انہوں نے فوراً پولیس میں رپٹ لکھوائی تاکہ گدھے کی تلاش میں آسانی ہو۔ تھانیدار مُلّا سے واقف تھا۔ اس نے پوری دل چسپی لیتے ہوئے کہا:

"مُلّا صاحب آپ کے گدھے کا کھونا واقعی اہمیت رکھتا ہے۔ ہم پوری کوشش کریں گے کہ آپ کا گدھا

واپس مل جائے۔ آپ ذرا شروع سے بتایئے تو کہ یہ کھویا کیسے؟"

مُلّا نے بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"صاحب عجیب بات ہے۔ آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ میں بتاؤں کہ وہ کیسے کھویا؟ اگر میں اس موقع پر موجود ہوتا تو وہ کھوتا ہی کیوں؟ یہ میرا کام تو نہیں ہے کہ میں پتہ لگاتا پھروں۔ کیسے کھویا یہ تو آپ کا کام ہے۔ آپ جانیں!"

• اُف یہ ڈاکو!

ایک مرتبہ مُلّا نصیرالدین اپنے دوست کے ہمراہ کسی لمبے سفر پر جا رہے تھے۔ راستے میں ایک سنسان مقام پر کوئی خانقاہ تھی جہاں کوئی انسان موجود نہ تھا۔ اتفاق کی بات اسی رات کو اس خانقاہ میں کچھ چوروں نے بسیرا کیا۔ انہوں نے جب مُلّا کو آتے دیکھا تو انہیں ٹھگنے کے لیے ایک سوانگ رچایا۔ سب صوفیوں کا بھیس بدل کر عجیب و غریب آوازیں نکالنے لگے جس سے دوسروں کو یہ معلوم ہو کہ ملنگ لوگ ہیں خدا کو یاد کر رہے ہیں۔

مُلّا نے سوچا کہ چلو آج کی رات اسی خانقاہ میں قیام کر لیں کیونکہ یہاں چہل پہل بھی ہے اور کچھ اللہ والے لوگ بھی جن کے ساتھ رات اچھی کٹے گی۔ انھوں نے گدھا ایک طرف باندھ دیا اور لڑکے کو اس کے پاس بٹھا کر خود ملنگوں میں پہنچ گئے۔ ان کے گرو نے مُلّا سے کہا:

"آپ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں۔"

مُلّا بخوشی راضی ہو گئے۔

ڈاکوؤں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑا اور گھیرا باندھ کر ناچنے لگے۔ زبان سے کوئی الٹی سیدھی بات رٹتے جاتے۔ مُلّا بھی ان کے بیچ میں وہی حرکتیں کرنے لگے۔ وہ لوگ جو کچھ کہتے وہی مُلّا بھی کہتے۔ ڈاکوؤں نے کسی ایک بات پر اکتفا نہ کی۔ کبھی کچھ کہتے تو کبھی کچھ۔ اور برابر ناچتے جاتے۔ اور بالآخر انھوں نے چلانا شروع کیا:

"گدھا تم کو دیا۔ گدھا تم کو دیا!"

مُلّا بھی یہی کہنے لگے۔ ناچتے جاتے اور کہتے جاتے تھے۔ مگر مُلّا تھے دُبلے پتلے۔ ڈیڑھ پسلی کے آدمی تھوڑی ہی دیر میں بیہوش ہو کر گر پڑے۔

جب انہیں ہوش آیا تو دیکھا کہ نہ تو وہاں کوئی ملنگ ہے اور نہ ان کا گدھا۔ لڑکا ایک درخت کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ مُلّا بھاگے ہوئے اُس کے پاس پہنچے اور ڈانٹ کر کہا:

"ارے کمبخت! گدھا کدھر ہے؟ میں تجھ کو گدھے کے پاس چھوڑ کر گیا تھا۔ تو اس کی تھوڑی دیر بھی حفاظت نہ کر سکا۔"

لڑکے نے جواب دیا:

"ابا جان۔ آپ گدھا میرے سپرد تو کر گئے تھے لیکن تھوڑی دیر بعد ایک صوفی صاحب آئے اور گدھا کھول کر لے گئے۔ میں بھاگا ہوا آپ کے پاس گیا تو آپ چلا چلا کر کہہ رہے تھے: "گدھا تم کو دیا۔ گدھا تم کو دیا۔" جب میں نے یہ سنا تو مجھے یقین ہو گیا کہ آپ نے صوفی کو گدھا دے دیا ہے۔ اب اتنے صوفیوں کے سامنے آپ کی بات کو غلط کیسے سمجھتا۔ آپ ہی بتائیے میری کیا خطا ہے۔"

• چالاک خریدار

مُلّا نصرالدین کے پاس ایک گدھا کافی عرصے سے

تھا۔ وہ اس سے بالکل عاجز آچکے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی صورت یہ بک جائے۔ تاکہ کوئی اچھا اور تندرست گدھا خرید سکوں۔ ایک دن انھوں نے طے کر لیا کہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ چنانچہ وہ گدھے کو لے کر بازار کی طرف نکل گئے۔ بازار میں ایک مقام پر نیلام گھر تھا جہاں ہر قسم کا نیا اور پرانا سامان نیلام ہوتا تھا۔ مُلّا بھی اپنے گدھے کو نیلام گھر میں لے گئے۔ ان کا خیال تھا کہ اپنے طور پر بیچنے میں کافی وقت لگ جاتا ہے اور پیسے بھی معقول نہیں ملتے۔ آخر نیلام گھر کے مالک سے بات چیت کرکے اپنا گدھا نیلامی پر چڑھا دیا۔ اس نے بولی لگوانے کا انتظام کیا اور اس سلسلے میں گدھے کی خوب خوب تعریفیں کیں۔ مُلّا نے جو اپنے گدھے کی اتنی تعریفیں سنیں تو ان کا جی للچانے لگا۔ سب سے پہلے بولی پانچ دینار لگی۔ مُلّا سوچنے لگے کہ اتنی خوبیوں والے گدھے کے صرف پانچ دینار لگ رہے ہیں۔ چلو خود ہی خرید لیں۔ اتنی کم قیمت پر ایسا اچھا گدھا بھلا کہاں ملے گا۔

آہستہ آہستہ بولی چڑھنے لگی۔ مُلّا بھی بولی بولتے۔

نیلام گھر کا مالک کہتا جا رہا تھا:

"ارے بھائیو! آگے بڑھو۔ اتنا تندرست، اتنا اونچا اور مضبوط گدھا ہے۔ اس کی قیمت پچاس دینار سے بھی زیادہ ہے۔"

مُلّا تعریفیں سنتے جاتے اور بولی آگے بڑھاتے جاتے۔ یہاں تک کہ آخر میں مقابلہ ایک کسان اور مُلّا کے درمیان رہ گیا۔ بالآخر چالیس دینار پر بولی ختم ہوگئی اور مُلّا نصرالدین کے نام پر چھوٹ گئی۔ مُلّا نصرالدین نے چالیس دینار جیب سے نکالے اور نیلام والے کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ اس نے اپنا کمیشن جو ایک چوتھائی طے ہوا تھا یعنی دس دینار خود رکھ لیا اور تیس دینار مُلّا کو بحیثیت مالک بیع گدھے کے واپس کر دیے۔ مُلّا خوشی خوشی اپنا گدھا لے کر واپس ہوئے۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہے تھے کہ خدا نے کتنا رحم کیا جو اتنی خوبیوں والا گدھا ان کے پاس ہی رہا۔ اگر نکل جاتا تو پھر دوسرا ملنا مشکل تھا۔ راستے میں انھوں نے یہ بھی سوچا:

"میں کس قدر چالاک اور ہوشیار خریدار ہوں جو

کبھی مال خریدنے میں دھوکہ نہیں کھا سکتا۔"

• اچھا شگون

مُلّا نصرالدین گدھے کے رینکنے کو اچھا شگون سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ رات کے وقت مُلّا کے گھر میں چور آیا۔ اُس نے مُلّا کا بکس نکال کر اس میں سے ان کا قیمتی جُبّہ نکال لیا۔ اتفاق کی بات کہ ٹھیک اس وقت مُلّا کا گدھا رینکنے لگا۔ مُلّا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اپنے بستر پر لیٹے لیٹے چیخنے لگے۔

"اچھا شگون ہے۔ کوئی اچھی خبر ملنے کو ہے۔ واہ واہ!"

چور نے جب مُلّا کا شور و غوغا سُنا تو خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔

• بلوغت

مُلّا نصرالدین کو اُن کے والدین نے بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ اُن کی ہر خواہش پوری کی جاتی تھی جس کے نتیجہ میں وہ بہت ضدّی ہو گئے تھے اور انہیں ایک عادت یہ پڑ گئی تھی کہ جس کام کو کہا جاتا وہ اس کے خلاف کرتے تھے۔ پہلے تو والدین نے ان کی یہ عادت چھڑانے کی کوشش کی۔ جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو انھوں نے طے کر لیا کہ مُلّا سے جو کچھ کہنا ہوا کرے گا اُس کا اُلٹ کہیں گے۔ مثلاً اگر مُلّا کو کھانا کھانے کے لیے کہنا ہوتا تو اُن سے کہا جاتا:

"نصرالدین! کھانا نہ کھانا۔"

وہ جھٹ کھانا کھانے بیٹھ جاتے۔ اسی طرح ان سے ہر کام لیا جاتا۔ غرض ان کی عُمر بڑھتی رہی لیکن یہ عادت نہ چھوٹی۔

جب وہ پندرہ برس کے ہوئے تو ایک بڑے مزے کا واقعہ پیش آیا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ بازار جا رہے تھے۔ ساتھ ان کا گدھا بھی تھا جس پر آٹے کی بوری لدی تھی۔ راستے میں ایک دریا پڑتا تھا جس پر رسیوں کا پُل بنا تھا۔ شام ہونے سے پہلے پہلے دونوں باپ بیٹے اس پُل پر پہنچ گئے اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے جب وہ لوگ دریا کے بیچ پہنچے تو اچانک آٹے کی بوری ایک طرف کو جھکنے لگی۔ اتفاق سے اس وقت گدھے کے پاس نصرالدین ہی تھے۔ ان کے والد پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ انھوں نے جب آٹے کی بوری

کرتے دیکھی تو وہیں سے آواز دی:

"بیٹا! جلدی کرو۔ گدھے کی بوری داہنی طرف زیادہ جھک گئی ہے۔ اُسے فوراً اٹھا دو۔"

حقیقت میں بوری بائیں طرف جھکی ہوئی تھی لیکن انھوں نے مُلّا کی ضدی طبیعت کا خیال کرتے ہوئے داہنی طرف کہا تھا۔ مُلّا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ داہنی طرف سے اُوپر اٹھا دی۔ بوری تو پہلے ہی بائیں طرف جھک رہی تھی، وہ پھسل کر دریا میں جا گری۔ باپ بہت ناراض ہوا اور چلّا کر کہا:

"پاگل! میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بوری داہنی طرف جھک رہی ہے۔"

نصرالدین نے جواب دیا:

"جی ہاں! اسی لیے میں نے داہنی طرف سے اُوپر اٹھا دیا۔"

باپ نے پھر کہا:

"مگر نصرالدین تم تو ہمیشہ اُلٹے معنی سمجھتے تھے آج سیدھے کیسے سمجھ لیے؟"

بیٹے نے جواب دیا:

"بابا! اب میں چودہ برس کا ہوگیا ہوں۔ کیا اب بھی ضدیں کیا کروں۔ اب مجھے ہوش کی باتیں کرنا چاہیے۔ اسی لیے میں نے آپ کے حکم پر عمل کیا۔"

• خواہش کی قیمت

مُلّا نصرالدین کے دل میں ایک خواہش بہت مدت سے تھی کہ کبھی اپنی بھینس کے سینگوں کے بیچ میں بیٹھ جائیں۔ اُن کی بھینس کے سینگوں کے درمیان فاصلہ بہت تھا۔ وہ سوچتے ہی رہتے تھے مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔ ایک دن دوپہر کے وقت انھوں نے دیکھا کہ بھینس آنکھیں بند کیے بیٹھی ہے۔ انھوں نے سوچا کہ اس وقت سینگوں کے بیچ میں بیٹھنا آسان ہے۔ چنانچہ وہ ایک دم چھلانگ لگا کر اپنی پسند کی جگہ جا بیٹھے۔ اُن کا بیٹھنا تھا کہ بھینس گھبرا کر کھڑی ہوگئی اور اپنی گردن کو اس زور کا جھٹکا دیا کہ مُلّا اُچھل کر دُور جا گرے۔ اتفاق سے ان کی بیوی وہیں کھڑی تھی۔ اس نے اور تو کچھ دیکھا نہیں بس یہ سمجھی کہ مُلّا کو بھینس نے گرا دیا۔ لہٰذا وہ رونے پیٹنے لگی۔ مُلّا کو جب ذرا سکون ہوا تو انھوں نے سر اٹھا کر بیوی سے کہا:

"چپ ہو جاؤ۔ رونے کی کیا ضرورت ہے۔ مزا تو مجھے خود اپنے کیے کی ملی ہے۔ پھر کسی خواہش کو پورا کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ قیمت تو ادا کرنی ہی ہوتی ہے!"

• پریشانی کب شروع ہوتی ہے

ایک مرتبہ مُلّا کا گدھا لاپتہ ہو گیا۔ مُلّا نے جس سے بھی کہا اُس نے تلاش شروع کر دی۔ پاس پڑوس میں دیکھنے کے بعد لوگوں نے سارا گاؤں چھان مارا لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ کسی نے مُلّا سے پوچھا:

"مُلّا۔ لوگ آپ کا گدھا تلاش کر رہے ہیں لیکن آپ گھر سے بھی نہ نکلے اور آپ کے چہرے پہ پریشانی کے بھی کچھ آثار نہیں ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ آپ کا گدھا اب کبھی نہ مل سکے گا؟"

مُلّا نے بڑے اطمینان سے جواب دیا:

"دیکھو وہ سامنے پہاڑی ہے۔ کوئی تلاش کرنے والا ابھی تک اس پر نہیں گیا ہے۔ جب اس پہاڑی کا بھی کونا کونا تلاش کر لیا جائے گا اور وہاں بھی نہ ملے گا تب میری پریشانی شروع ہوگی۔"

• ورنہ ——!

ایک دفعہ مُلّا کے گدھے کی پیٹھ پہ رکھا جانے والا تھیلا کہیں کھو گیا۔ مُلّا نے چیخنا شروع کر دیا:

"دیکھو ہمارا تھیلا لا دو ورنہ۔ دیکھو ہمارا تھیلا ڈھونڈ کے لا دو ورنہ!!"

وہ چیختے ہوئے گھر سے نکل گئے اور بازاروں میں شور مچاتے ہوئے دوڑنے لگے۔ یار دوست اور دوسرے لوگ بہت ڈرے کہ آج مُلّا کو کیا ہو گیا ہے۔ غصے میں خدا جانے کیا کر بیٹھیں۔ چنانچہ سب ان کے تھیلے کی تلاش میں لگ گئے۔ آخر کار تھیلا مل گیا اور اُن کو لا کر دے دیا گیا۔ جب تھیلا مل گیا تو کچھ لوگ ان کے پاس پہنچے۔ کسی نے مُلّا سے پوچھا:

"اگر آج تھیلا نہ ملتا تو آپ کیا کرتے؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"کرتا کیا؟ دوسرا تھیلا بنواتا —— اور آپ لوگ کیا سمجھے؟"

• لمبائی

مُلّا کے ایک دوست کے پاس ایک گھوڑا تھا۔ وہ گھوڑے سے بڑی محبت کرتا تھا اور ہر وقت اسی میں لگا رہتا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے گھوڑے کی دُم چھوٹی کرنا چاہی اور اس سلسلے میں مُلّا سے مشورہ کیا۔ مُلّا نے جواب دیا:

"یہ بھی کوئی سوال میں سوال ہے۔ ابھی ہر چیز لمبی ہے اور ہر چیز چھوٹی ہے۔ آپ جسے لمبا کہتے ہیں دوسرا چھوٹا کہہ سکتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ جسے آپ آج بہت لمبا کہیں کچھ عرصے کے بعد اس کو بہت چھوٹا کہہ دیں۔ اس لیے لمبے اور چھوٹے کے چکر میں نہ پڑیں۔ اپنی مرضی پہ عمل کریں۔"

• دھرنا

ایک دن صبح کے وقت جب لوگ اپنے اپنے کاموں پر جانے کے لیے گھروں سے نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مُلّا نصرالدین سڑک کے بیچوں بیچ بیٹھے ہوئے ہیں اور سواریاں، گاڑیاں ان کے قریب سے گزر رہی ہیں۔ اتفاق سے ان کے کسی دوست کی نظر پڑ گئی۔ اُس نے آگے بڑھ کر پوچھا:

"کیا بات ہے مُلّا، یہ آج سڑک پہ دھرنا دے کر کیوں بیٹھ گئے ہیں جناب؟ کیا خودکشی کرنے کا ارادہ ہے؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"خودکشی کیسی، خودکشی تو بزدل کرتے ہیں۔ میں تو اس لیے بیٹھا ہوں کہ اب سے شام تک یہاں پہ کوئی نہ کوئی حادثہ تو ضرور ہوگا اور میری خواہش پوری ہو جائے گی۔"

دوست نے پھر پوچھا:

"کیسی خواہش؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"بھائی مجھے ایک عرصے سے تمنّا ہے کہ کوئی حادثہ بہت قریب سے دیکھوں۔ اب تک یہی ہوتا آیا ہے کہ جہاں کوئی حادثہ ہوا ایک جمِ غفیر اس کے گرد لگ گیا۔ میں نہ تو مجمع میں گھس پاتا ہوں اور نہ قد ہی اتنا اونچا ہے کہ اُوپر سے دیکھ لوں اسی لیے آج پہلے سے بیٹھا ہوں کہ حادثہ میرے

نزدیک ہی ہو اور آدمی بعد میں اکٹھا ہوں تاکہ مجھے دیکھنے میں زحمت نہ ہو۔"

• حقیقت پسندی

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین کو کسی نے ایک پگڑی کا کپڑا بطور تحفہ دیا۔ مُلّا خوشی خوشی لے کر گھر آئے۔ گھر پہنچ کر انھوں نے پگڑی باندھنے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ کپڑا کافی کم ہے اور اس کو پگڑی نہیں بنایا جا سکتا۔ انھوں نے اُس وقت تو اُسے اٹھا کر رکھ دیا اور کچھ دن بعد پھر باندھنے کی کوشش کی لیکن پھر وہی نتیجہ نکلا۔ آخر وہ عاجز آگئے تو انھوں نے اُسے نیلام کرنے کا ارادہ کر لیا۔

نیلام کرنے والے نے جب اُس کپڑے کی تعریفیں شروع کیں تو انہیں بڑا غصّہ آیا۔ انھوں نے سوچا کہ یہ لوگ بھی کتنے جھوٹے ہوتے ہیں۔ اک ذرا سا موٹا کپڑا ہے لیکن یہ شخص اُس کی تعریفوں کے پُل باندھ رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد بولی ایک جگہ آ کر ٹھہر گئی اور کسی شخص کے نام پر چھوٹنے والی تھی۔ مُلّا نے محسوس کیا کہ ایک ایسی پگڑی جس نے انھیں سخت پریشان کیا وہ اتنی زیادہ قیمت پر نیلام ہو رہی ہے تو اُن سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ چپکے سے اپنی جگہ سے اٹھے، آہستہ آہستہ بولی لگانے والے کے پاس پہنچے اور اُس سے کہنے لگے:

"اماں کیوں پیسے پھینکنے پر تُلے ہوئے ہو۔ یہ پگڑی نام کی ہے۔ بس تھوڑا سا کپڑا ہے۔ میں نے اس کو باندھنے کی لاکھ کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایسی خراب پگڑی پر پیسے لگانے سے فائدہ!"

وقت کی کمی

ایک دن مُلّا نصرالدین کو کسی شخص سے ملنے کے لیے دوسرے گاؤں جانا تھا۔ جب وہ دن آیا تو مُلّا بھول گئے کہ انھوں نے کسی سے ملنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ بہر حال وقت مقررہ سے کچھ دیر پہلے انھیں یاد آیا۔ فوراً اٹھے اور غسل خانے میں گھس گئے۔ وہاں سے نہا کر نکلے تو کپڑے پہننا بھول گئے اور ننگے مادر زاد بھاگنے لگے۔ راستے میں کسی نے آواز دے کے پوچھا:

"ملّا! کیا غضب کر رہے ہو! کپڑے کیوں نہیں پہنے؟"

ملّا نے جواب دیا:

"کوئی خاص بات نہیں۔ میں ذرا جلدی میں تھا اس لیے کپڑے اٹھانا بھول گیا۔ مگر مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے کچھ تو پہنا ہی تھا۔ کیا تمہیں بالکل ننگا نظر آ رہا ہوں؟"

درخت پر سڑک

ملّا کے گاؤں کے لڑکے بھی ان سے خوب مزہ لیتے تھے۔ اور تعریف کی بات یہ ہے کہ ملّا خود بھی بچوں سے خوش ہوتے تھے اور ان کی کسی بات کا بُرا نہ مانتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے، کچھ لڑکوں نے طے کیا کہ ملّا کی جوتیاں غائب کی جائیں۔ چنانچہ وہ ملّا کے قریب آئے اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ سامنے والے درخت پر کوئی نہیں چڑھ سکتا۔ بچوں کا خیال تھا کہ ملّا یہ جملہ سن کر ضرور جوش میں آئے گا اور وہ جوتیوں کو نیچے چھوڑ کر درخت پر چڑھنے لگیں گے۔ لیکن بچوں کی آدھی بات صحیح ہوئی اور آدھی غلط۔ ملّا نے جب بچوں کو باتیں کرتے سنا تو بولے:

"درخت پر چڑھنا بھی کوئی مشکل کام ہے۔ تم میں سے ہر ایک چڑھ سکتا ہے۔ بس ذرا سی مشق کی ضرورت ہے۔ دیکھو میں چڑھ کر دکھاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے جوتیاں اُتار کر بغل میں اُڑس لیں اور درخت پر چڑھنا شروع کر دیا۔

کسی لڑکے نے چلّا کر پوچھا:

"ملّا جی درخت پر جوتیوں کا کیا کام۔ انھیں نیچے چھوڑ دیجیے۔"

ملّا نے جواب دیا:

"بچو! تم نہیں سمجھتے۔ انسان کو ہر وقت ہر صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ممکن ہے۔ درخت پر کوئی سڑک ہی مل جائے!"

• زمین کے نیچے زمین کے اوپر

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بادشاہ کا ایک افسرِ خاص، جو بڑا ہی لالچی اور ظالم تھا، اپنے اثر و رسوخ کے بل پر عدالت سے یہ اجازت لے آیا کہ ملّا

کی زمین پر جو فصل اُگ رہی ہے وہ اس میں
آدھا ساجھا کرے گا۔ عدالت کے منشی نے اجازت نامہ
لکھتے وقت اس سے پوچھا کر تمہیں مُلّا کی کاشت میں
سے کتنا حصّہ چاہیے؟ اس نے جواب دیا:
"جو کچھ زمین کے اُوپر ہے وہ سب ہمارا اور
جو زمین کے اندر ہے وہ مُلّا کا۔"
منشی نے یہی الفاظ لکھ دیے اور خط کو لفافے
میں رکھ کر مہر لگا دی۔ شاہی افسر وہ مہر بند خط
لے کے مُلّا کے پاس پہنچا۔ مُلّا نے لفافہ کھول کر اس
کا مضمون پڑھا تو چہرے پر مسکراہٹ دوڑنے لگی۔
افسر نے پوچھا:
"اس سال آپ نے کس چیز کی کاشت کی ہے؟"
مُلّا نے جواب دیا:
"گاجر کی۔"
افسر بہت سٹپٹایا لیکن کر بھی کیا سکتا تھا۔
عدالت سے تو وہ یہی لکھوا کر لایا تھا کہ جو کچھ
زمین کے اُوپر ہے وہ ہمارا ہے۔ جب دوسری
فصل پکنے کے دن قریب آئے تو وہ افسر پھر
اجازت نامہ لے کر آ پہنچا۔ اب کے اُس نے یہ
لکھوایا تھا:
"جو کچھ زمین کے نیچے ہے وہ سب ہمارا ہے،
زمین کے اُوپر آپ کا ہے۔"
اُس نے آتے ہی مُلّا سے پوچھا:
"اب کی بار آپ نے کیا بویا ہے؟"
مُلّا نے بڑے اطمینان سے جواب دیا:
"گندم!"
لالچی افسر کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

• ایک کا اثر دوسرے پر

ایک مرتبہ مُلّا کو بیٹھے بیٹھے نہ جانے کیا سوجھی کہ
انہوں نے اپنے گاؤں کے کسی کسان کا بیل چرا لیا۔
گھر لا کر اُس کو ذبح کیا اور کھال اُتار لی۔ بیل
کے مالک کو پتہ چل گیا۔ وہ روتا پیٹتا مُلّا کے
مکان پر پہنچا اور چیخ چیخ کے سارا گھر سر پر اُٹھا
لیا۔ مُلّا نے جو یہ شور و غل سنا تو اطمینان سے بولے:
"بھئی خوب رہی! کس طرح ایک بات کا اثر
دوسری پر پڑتا ہے۔ کھال تو اتاری بیل کی، چلّا
رہا ہے بیل کا مالک۔ گویا اسی کی کھال اتاری

ہو میں نے۔"

• پیچھے والے سے پوچھو!

ایک دن مُلّا مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے ان کی قمیص کا پچھلا دامن پاجامے کے اندر دب گیا جو دیکھنے میں بہت بُرا لگ رہا تھا ایک آدمی نے جو اُن کے پیچھے کھڑا ہوا تھا، دامن کھینچ کر باہر نکال دیا۔ مُلّا کو جب یہ محسوس ہوا کہ ان کا دامن کسی نے کھینچا ہے تو انھوں نے بھی جھٹ اپنے سامنے والے کی قمیص کا دامن کھینچ لیا۔ سامنے والے نمازی نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پوچھنے لگا:

"یہ کیا کر رہے ہو؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"آپ یہ سوال مجھ سے نہ پوچھیے۔ میرے پیچھے والے آدمی سے پوچھیے کیونکہ اُسی نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے۔"

• خدا کا شکر ہے، میں نہ بولا

ایک مرتبہ مُلّا مسجد میں جماعت سے نماز ادا کر رہے تھے۔ اتفاق سے اُن کے برابر والے آدمی نے نماز کے دوران ہی کہنا شروع کر دیا:

"اوہ! غالباً میں چولھے میں آگ جلتی چھوڑ آیا۔"

دوسرے آدمی نے اُس کو ٹوکا اور کہا:

"بُری بات ہے نماز پڑھتے میں نہیں بولتے۔ اس سے نماز جاتی رہتی ہے۔"

تیسرے نے کہا:

"پھر تم دونوں کی نماز جاتی رہی۔ اب پھر سے پڑھنی پڑے گی۔"

مُلّا جو اب تک خاموش کھڑے تھے بول پڑے:

"خدا کا شکر ہے تم سب بولے لیکن میں نہ بولا۔"

• مُرغیوں میں مُرغا

مُلّا نصرالدین ہر جمعہ کو ایک حمام میں نہانے جایا کرتے تھے۔ ایک دن کچھ لڑکوں کو مذاق سوجھا۔ انھوں نے کچھ انڈے خریدے اور مُلّا کے آنے سے پہلے حمام میں آکر بیٹھ گئے۔ جونہی مُلّا آئے اُنھوں نے مُلّا کو گھیر لیا اور کہا:

"مُلّا جی! آج ایک کھیل ہو جائے۔ ہم سب یہ تصوّر

کریں کہ ہم مرغیاں ہیں۔ اور اسی تصوّر کے ساتھ ایک
ایک کونے میں انڈا دینے کے لیے بیٹھ جائیں۔ ہم
میں سے جو بھی انڈا نہ دے سکے وہ حمام میں غسل
کی قیمت سب کی طرف سے ادا کرے۔"

مُلّا راضی ہوگئے۔ چند ہی لمحوں میں سب لڑکے
اور مُلّا انڈا دینے کے لیے الگ الگ بیٹھ گئے۔
لڑکوں نے کیا کیا کہ تھوڑی دیر بعد ایک ایک انڈا
اپنے نیچے رکھ لیا۔ مُلّا یونہی بیٹھے رہے۔ جب کافی
وقت گزر گیا تو سب لڑکے کھڑے ہوگئے اور اپنا
اپنا انڈا مُلّا کے پاس لے گئے۔ پھر اُن سے پوچھا کہ
آپ کا انڈا کہاں ہے؟ مُلّا نے جواب دیا:

"کیسا انڈا؟ کیا اتنی مرغیوں کے بیچ میں ایک مرغا
بھی نہ ہوتا!"

• اللہ ہی دے گا

ایک دن ایک آدمی مُلّا کے پاس آیا اور اُن
سے کہا:

"مُلّا! میرا بڑا نقصان ہوگیا۔ پتہ نہیں کس نے
میرے بیس دینار چرا لیے۔ اب مہینے کا خرچ کس
طرح پورا کروں گا؟"

مُلّا نے تسلی دیتے ہوئے کہا:

"گھبراؤ نہیں، اللہ اور دے گا۔"

آدمی کو یقین نہ آیا۔ اُس نے سوچا کہ مُلّا یونہی
بہلا رہے ہیں۔ مُلّا بھی اس کی حالت کو بھانپ گئے
اور بولے:

"اچھا تمہیں میری بات پر یقین نہیں آیا۔ چلو ابھی
میرے ساتھ مسجد۔ پھر تمہیں بتائیں کہ خدا دیتا ہے یا
نہیں۔"

دونوں آدمی مسجد پہنچ گئے۔ مسجد میں داخل ہو کر
مُلّا نے فرش پر لوٹنا شروع کر دیا اور چیخ چیخ کر کہے
جاتے تھے:

"اے اللہ پاک! اس آدمی کے بیس دینار عطا
کر دے۔ یہ بہت غریب آدمی ہے۔"

مُلّا کی اس حرکت کو دیکھ کر دوسرے نمازی
بہت پریشان ہوئے۔ کسی نے کہا:

"اس مُلّا کو نکالو مسجد سے۔"

کوئی بولا:

"غریب آدمی ہے۔ اس کی رقم مل جُل کر پوری

کر دو۔ آپ چلا جائے گا۔"

یہ بات ذہن میں آتے ہی نمازیوں نے چندہ شروع کر دیا اور تھوڑی ہی دیر میں بیس دینار اکٹھا کر کے مُلاّ کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ مُلاّ نے وہ رقم اس آدمی کے حوالے کر دی۔ اُس آدمی کو بڑا تعجب ہوا۔ مُلاّ بولے:

"اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ میں نہ کہتا تھا کہ اللہ دینے والا ہے۔ اس کے دینے کے مختلف ہاتھ ہیں۔ تم یہ نہ دیکھو کہ کس طرح دیے بس یہ دیکھو کہ تمہاری رقم تم تک پہنچ گئی۔"

• مُلاّ کا مدرسہ

کسی زمانے میں مُلاّ نصرالدین نے ایک مدرسہ کھول رکھا تھا۔ اس میں ایک سے ایک شریر لڑکا داخل تھا۔ ایک مرتبہ جب مُلاّ تاریخ کا سبق پڑھا رہے تھے کسی لڑکے نے سوال کیا:

"مُلاّ جی! فرض کیجیے کہ تین آدمی ہیں۔ ایک وہ ہے جس نے بہت بڑی سلطنت قائم کی، دوسرا وہ جو بہت بڑی حکومت کا بادشاہ بن سکتا تھا لیکن نہ بنا، تیسرا وہ جس نے دوسرے کو بادشاہ بننے سے روک دیا۔ ان میں سب سے بڑا کارنامہ کس نے انجام دیا؟"

مُلاّ نے اس سوال کا جواب اس طرح بے سوچے دیا جیسے کہ وہ اس کے لیے پہلے ہوئے سے تیار تھے۔ وہ بولے:

"مجھے کچھ پتہ نہیں کہ کس کا کارنامہ بڑا ہے اور کس کا چھوٹا ـــــ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ ایک کام ان سب کاموں سے زیادہ مشکل ہے۔"

لڑکوں نے پوچھا:

"وہ کون سا؟"

مُلاّ نے جواب دیا:

"دُنیا کے ہر کام سے زیادہ مشکل تم جیسے لڑکوں کو پڑھانا ہے۔"

• سیر کو سوا سیر

ایک دن ایک سوار سڑک پر جا رہا تھا۔ دوسری طرف سے مُلاّ بھی چلے آ رہے تھے۔ سوار نے جو مُلاّ کو دیکھا تو ایک دم آواز لگائی:

"اے مُلّا! اے مُلّا! اے مُلّا! دارالحکومت کو کون سا رستہ جاتا ہے؟"

مُلّا نے تعجب سے پوچھا:

"وہ تو میں بتا دوں گا، پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں مُلّا ہوں؟"

سردار نے نصرالدین کو یونہی مذاق میں مُلّا کہہ دیا تھا۔ جب اُسے پتہ چلا کہ مُلّا کو اسی نام سے پکارا جاتا ہے تو اُس نے شیخی بگھارتے ہوئے کہا:

"اجی صاحب! میرے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں میں لوگوں کے دماغ پڑھ لیتا ہوں۔"

مُلّا نے فوراً جواب دیا:

"اچھا تو پھر بتائیے کہ میرے دماغ میں دارالحکومت کو جانے والا راستہ کون سا ہے؟"

• چور کی ڈاڑھی میں تنکا

ایک دفعہ کا ذکر ہے مُلّا نصرالدین کسی خانقاہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اتفاق سے کسی بات پر ان کی خانقاہ کے شیخ سے تُو تُو میں میں ہو گئی۔ مُلّا غم کھانا تو جانتے ہی نہ تھے۔ خود بھی ترکی بہ ترکی

جواب دینے لگے۔ بہرحال اُس وقت بات ختم ہو گئی۔ کچھ دنوں کے بعد خانقاہ سے ایک بوری چاول چوری ہو گئے۔ شیخ کو بڑا تعجب ہوا اور افسوس بھی۔ لیکن پتہ لگوانے کے لیے اُس نے اعلان کر دیا کہ جس کسی نے چاول چرائے ہیں اُس کی ڈاڑھی میں دو چار دانے چپکے ہوئے ہیں۔ چور نے جب یہ اعلان سنا تو مطمئن ہو گیا۔ اُس نے سوچا کہ یہ تو پُرانی ترکیب ہے 'چور کی ڈاڑھی میں تنکا'۔ اِس لیے اُس نے اپنی ڈاڑھی نہ چھوئی۔ اِدھر مُلّا کا مارے ڈر کے بُرا حال تھا انھوں نے فوراً اپنی ڈاڑھی کو نوچنا شروع کر دیا۔ تاکہ اگر ایک دانہ بھی مل جائے تو چپکے سے گرا دیں۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ مُلّا اپنی ڈاڑھی چھُو رہے ہیں تو سب سمجھ گئے کہ انھی کی حرکت ہے۔ مُلّا نے زوردار آواز میں کہا:

"اب کہاں تک ڈاڑھی سے ہاتھ الگ رکھوں۔ پھر میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ آج نہیں تو کل مجھے پکڑ لیا جائے گا۔"

• منطقی دلیل

کسی نے مُلّا سے پوچھا:

"مُلّا آپ کی عمر کیا ہے؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"میں اپنے بھائی سے تین سال بڑا ہوں۔"

اُس نے پھر پوچھا:

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ اپنے بھائی سے تین سال بڑے ہیں؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"پچھلے سال میں نے اپنے بھائی کو کسی دوست سے کہتے سنا تھا کہ میں اُس سے دو سال بڑا ہوں چونکہ اس بات کو ایک سال گزر گیا اس لیے لامحالہ میں تین سال بڑا ہو گیا اور کچھ ہی دنوں بعد اُس کا پردادا بن جاؤں گا۔"

• سچا گواہ

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین کے پڑوسی نے اُن سے کہا کہ ذرا میرے مقدمے میں گواہی دے دو۔ پڑوسی

کا کسی دوسرے آدمی سے اناج کے بارے میں مقدمہ چل رہا تھا۔ دوسرا آدمی گیہوں اپنے بتاتا تھا جبکہ پڑوسی کا کہنا تھا کہ ہمارے ہیں۔ مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش تھا۔ چنانچہ ایک دن مُلّا گواہی کے لیے عدالت میں حاضر ہوئے۔ قاضی نے مُلّا سے پوچھا:

"کیا تمہارے پڑوسی کا اناج تمہارے سامنے غائب ہوا تھا؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"جی ہاں میں نے اپنی آنکھوں سے جو کے بورے غائب ہوتے دیکھے۔"

"مگر مسئلہ تو گیہوں کے بوروں کا ہے" قاضی نے مُلّا کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"حضور! اس بحث میں پڑنے سے کیا فائدہ؟ جو ہوں یا گیہوں، مجھے تو صرف یہ کہنا ہے کہ میرا پڑوسی حق پر ہے۔ اگر میں جھوٹا گواہ ہوتا تو جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں وہی کہہ دیتا۔ میں سچا آدمی ہوں اور وہی کہوں گا جسے سچ سمجھتا ہوں۔"

• ذہین بیٹا

ایک دن مُلّا کے چھوٹے بیٹے نے اُن سے توتلی زبان میں کہا:

"ابّا! مجھے وہ دن یاد ہے جب آپ پیدا ہوئے تھے۔"

مُلّا نے جو کمسن بیٹے کی بات سنی تو مارے خوشی کے اچھل پڑے اور بیوی سے مخاطب ہو کے بولے:

"دیکھا تم نے کریمہ! میں نہ کہتا تھا کہ میرا بیٹا بھی میری ہی طرح ذہین نکلے گا۔ آج اُس نے ثابت کر دیا۔"

• تجھ کو پرائی کیا پڑی

مُلّا کے گاؤں میں ایک صاحب ایسے بھی رہتے تھے جو ہر معاملے میں ٹانگ اڑانے کے عادی تھے۔ ایک دن وہ دوڑے ہوئے مُلّا کے پاس پہنچے اور مُلّا کی شکل دیکھتے ہی چلّا کر بولے:

"نصرالدین! آپ کے لیے خوش خبری لایا ہوں۔"

مُلّا اُس کی عادت کو پہلے سے جانتے تھے اس لیے اُس کی بات کا ذرا بھی اثر قبول نہ کیا بلکہ کھسیانی آواز میں پوچھا:

"کہو، کون سی خوش خبری لائے ہو؟"

"آپ کے پڑوس میں کیک بننے کی خوشبو آرہی ہے۔"

"پھر میں کیا کروں؟"

"وہ غالباً آپ کو بھی بھیجیں گے۔"

"اگر وہ مجھے بھیجیں گے تو پھر آپ کیوں اتنا پریشان ہیں؟"

• نجومی گدھا

ایک بار مُلّا نصرالدین کے پڑوس میں ایک ایسا آدمی آبسا جو بڑا سخت اور ظالم تھا۔ ایک دن وہ مُلّا کے پاس آیا اور اُن سے گدھا مانگ بیٹھا۔ مُلّا اپنے گدھے سے بڑی محبت کرتے تھے اور کسی اور کو کبھی نہ دیتے تھے۔ پڑوسی کے مانگنے پر وہ بہت سٹپٹائے اور کچھ دیر تک سوچنے کے بعد بولے:

"بہتر ہے جناب! آپ میرا گدھا بخوشی لے جا

سکتے ہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن میں ذرا
اُس سے بھی پوچھ لوں۔ کیونکہ جائے گا تو وہ ہی۔"
پڑوسی نے کہا:
"جی ہاں آپ پوچھ لیجیے۔"
نصرالدین اپنے اصطبل میں گئے اور چند لمحوں
بعد واپس آکر پڑوسی سے کہنے لگے:
"بھائی بڑا افسوس ہے۔ وہ کسی قیمت پر آپ
کے ساتھ جانے پر رضامند نہیں ہے۔"
پڑوسی نے پوچھا:
"آخر بات کیا ہے؟"
مُلاّ نے جواب دیا:
"بات دراصل یہ ہے کہ میرا گدھا نجومی ہے۔
اُس نے اپنے علم سے یہ معلوم کر لیا ہے کہ اُس
کے اور آپ کے معاملات ٹھیک نہ رہ سکیں گے۔
اس لیے جانے سے گریز کر رہا ہے۔ مجھے اُمید
ہے کہ آپ خیال نہ کریں گے۔"
پڑوسی نے پھر پوچھا:
"لیکن یہ تو بتائیے کہ گدھے نے میرے بارے میں
کیا سوچا ہے؟"

مُلاّ نے جواب دیا:
"اُس نے یہی سوچا ہے کہ اگر وہ آپ کے ساتھ
رہا تو اُسے لمبی مسافتیں طے کرنی ہوں گی۔ کھانا
بہت کم ملے گا اور ہڈیاں تھک کر چور ہو جائیں گی۔
ممکن ہے گھٹنے بھی زخمی ہو جائیں۔"

• بدقسمت چور

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ رات کے وقت مُلاّ
کی بیوی کی آنکھ کھل گئی۔ وہ آنکھیں کھولے لیٹی
ہی تھیں کہ دروازہ پیٹنے کی آواز سنائی دی۔ انھوں
نے جلدی سے مُلاّ کو جگایا اور اُن سے بولیں:
"غور سے سنو۔ معلوم ہوتا ہے کوئی چور گھسنا چاہتا
ہے۔"
مُلاّ نے جواب دیا:
"اس میں گھبرانے کی کون سی بات ہے۔
چور سے تو برکت ہو گی۔ تم جانتی ہو گھر میں
کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ لے بھی جائے گا تو آخر
کیا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ چھوڑ کر ہی
جائے گا۔"

• گڑبڑ

ایک دن سڑک پر ایک فقیر جا رہا تھا جو یہ صدا لگاتا جاتا تھا:

"جو پیدا ہوا ہے وہ ناپید بھی ہوگا۔ مگر یہ خدا ہی جانتا ہے کہ انسان کہاں سے آتا ہے اور کہاں جاتا ہے!"

مُلّا نصرالدین نے جو فقیر کی صدا سنی تو دوڑے ہوئے اس کے پاس گئے اور کہنے لگے:

"بابا یہ تو واقعی کوئی نہیں جانتا کہ انسان کہاں جاتا ہے اور کہاں سے آتا ہے لیکن اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ معاملہ ہے ضرور کچھ گڑبڑ!"

قریب ہی کھڑے ہوئے کسی آدمی نے پوچھا:

"یہ آپ کیوں کہہ رہے ہیں؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"یہ بات ہم اپنے مشاہدے کے بل پر کہہ رہے ہیں۔ آپ نے کبھی دیکھا ہوگا کہ جب بچّہ ہوتا ہے تو روتا ہوا آتا ہے اور جب اس دنیا سے رخصت ہونے لگتا ہے تب بھی روتا کراہتا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہاں سے جانا نہیں چاہتا۔"

• خیال کی خوشبو!

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مُلّا کے پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ وہ اس خیال میں غرق ایک کمرے میں کمبل اوڑھے لیٹے تھے کہ آج کھانا کیسے پک سکے گا——

اس خیال کے ساتھ انہیں ایک قسم کا اطمینان بھی محسوس ہوا کہ کم از کم آج تو پڑوسن کی لڑکی سالن مانگنے نہ آئے گی۔ روزانہ تو یہ ہوتا تھا کہ جہاں سالن بھُننے کی خوشبو اُڑی اور پڑوسن تاڑ گئی کہ مُلّا کے ہاں سالن پک رہا ہے۔ تھوڑی دیر میں دیکھو تو اس کی لڑکی کٹورہ لیے کھڑی ہے۔

یہ بات سوچتے سوچتے، ان کے ذہن میں کئی قسم کے سالن، اُن کے ذائقے اور خوشبوؤں کا خیال گردش کرنے لگا—— اسی دوران دروازے پر دستک ہوئی۔ جا کر دروازہ کھولا تو دیکھا، پڑوسن کی لڑکی سالن مانگنے آئی ہے۔ نصرالدین نے اُسے دیکھتے ہی کہا:

"بھئی کمال ہے، ہمارے پڑوسی تو خیال کی خوشبو بھی سونگھ لیتے ہیں۔"

• نقلِ مکانی

ایک مرتبہ مُلّا کے یہاں کوئی چور آیا۔ مُلّا نے چور کو چوری کرتے دیکھ لیا مگر وہ اس سے کچھ نہ بولے۔ بس اس کی شکل دیکھتے ہی گھر سے باہر نکل گئے اور گلی کے نکڑ پر کھڑے ہو کر اُس کا انتظار کرنے لگے۔ جب چور تمام مال و اسباب لے کر جانے لگا تو مُلّا بھی اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیے اور چور کے گھر پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے فرش پر ٹانگیں پھیلائیں اور آنکھیں بند کر لیں۔ چور نے مُلّا کو زمین پر لیٹا دیکھا تو وہ قریب آیا۔ انہیں جگایا اور کہنے لگا:

"کون ہو تم؟ یہاں کس لیے آئے ہو؟"

مُلّا نے پورے اطمینان سے جواب دیا:

"اماں اتنی جلدی بھول گئے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو ہم دونوں اس مکان کو کھسکا کر یہاں لائے ہیں۔"

وقت کی بات

ایک مرتبہ مُلّا کا ایک پڑوسی اُن کے پاس آیا اور بولا:

"بھائی صاحب! ذرا اپنی رسّی تو دے دیجیے۔ کپڑے دھو کر سکھانا ہیں۔"

مُلّا نے فوراً جواب دیا:

"نہیں۔ ابھی نہیں دے سکتا، ابھی وہ میرے استعمال میں ہے۔"

پڑوسی نے رسّی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"مگر میں تو دیکھ رہا ہوں، وہ زمین پر پڑی ہے۔"

مُلّا نے بھی جواب دے مارا "جی ہاں اس کا یہی استعمال ہے۔"

پڑوسی نے پھر پوچھا: "تو جناب یہ کتنے دن تک آپ کے استعمال میں رہے گی؟"

"جب میں یہ سمجھ لوں گا کہ اس کو دینے سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔" مُلّا نے جواب دیا۔

• بیوی کے نام کا

ایک دن کا ذکر ہے مُلّا نصر الدین اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے مرغِ مسلّم کھا رہے تھے۔ اُن کا کمرہ سڑک کے برابر تھا اس لیے کھڑکی سے باہر آنے جانے والا نظر آتا تھا۔ اتفاق سے اس وقت کوئی

فقیر سڑک پر سے گزر رہا تھا۔ اس کی نظر مرغ مسلم
پر پڑ گئی۔ وہ کھڑکی کے قریب آیا اور مُلّا سے مخاطب
ہو کر خوشامدیں کرنے لگا:
"بابا! تھوڑا سا گوشت مجھے بھی دے دو۔ کل
سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ خدا تمھیں بہت دے گا۔"
مُلّا نے فقیر کی صدا سُنی تو بولے:
"بابا میں خود ہی بڑا فیاض ہوں۔ کسی سائل کو
بغیر کچھ دیے نہیں جانے دیتا۔ لیکن اس وقت مجبور
ہوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں اپنے حصّے کا مرغ
تمہارے آنے سے پہلے ہی صاف کر چکا تھا۔ اب
تو بیوی کا حصّہ کھا رہا ہوں۔ اب تم ہی بتاؤ دوسرے
کا حصّہ میں کیونکر دے سکتا ہوں؟"

• خمیر کا انتظار

ایک دن مُلّا کی بیوی نے اُن سے کہا کہ ذرا
دریا سے پانی بھر لاؤ۔ مُلّا بہت گھبرائے کیونکہ اس
سے پہلے کبھی اُنھوں نے پانی نہیں بھرا تھا لیکن بیوی
کے اصرار پر راضی ہو گئے۔ بیوی نے کہا:
"میں خود چلی جاتی لیکن میں ذرا آٹے میں خمیر
اُٹھنے کا انتظار کر رہی ہوں اس لیے تم ہی چلے
جاؤ۔"
چار و ناچار مُلّا گھڑا لے کر چلے گئے۔
دریا پہ پہنچ کر اُنھوں نے جونہی گھڑے کو اس
میں ڈالا وہ ہاتھ سے چھوٹ گیا اور پانی کے تیز
بہاؤ میں آگے نکل گیا۔ مُلّا اسے دیکھتے رہ گئے۔
تھوڑی دیر میں اس کے اندر پانی بھر گیا اور وہ
دریا کی تہہ میں بیٹھ گیا۔ مُلّا گھنٹوں دریا کے
کنارے بیٹھے رہے۔ کسی نے پوچھا:
"مُلّا یہاں کیا کر رہے ہو؟"
مُلّا نے جواب دیا:
"دریا میں خمیر اُٹھنے کا انتظار کر رہا ہوں۔"

• آگ بھی ڈرتی ہے

ایک دن مُلّا کی بیوی اپنے کسی عزیز کے ہاں
چلی گئی۔ مُلّا گھر میں اکیلے رہ گئے۔ اُنھوں نے سوچا
کہ کھانے کا بندوبست گھر میں ہی کر لیا جائے۔
چنانچہ اُنھوں نے چولھے میں آگ جلانی شروع کی۔
اتفاق سے لکڑیاں گیلی تھیں۔ اُنھوں نے بہت کوشش

کی کہ لکڑیوں سے آنچ نکلے مگر پھکنی سے پھونک پھونک
کر سانس پھول گئی۔ کاغذ بھی کئی بار رکھا۔ لیکن کوئی
فائدہ نہ ہوا۔ جب عاجز آگئے تو کھسیانے ہو کر بولے:
"جلتی ہے سیدھی طرح یا بلاؤں بیوی کو؟"
یہ کہہ انہوں نے اور زور زور سے پھونکنا
شروع کیا۔ اتنی دیر میں انگارے خوب روشن ہو گئے
وہ سمجھے کہ شاید بیوی کے نام پہ انگاروں میں چمک
آئی ہے۔ اس لیے انہوں نے ایک اور ترکیب سوچی
وہ دوڑ کے اپنی بیوی کا کوئی دوپٹہ اٹھا لائے
اور اُسے اوڑھ کر چولہا پھونکنا شروع کر دیا۔ اتفاق
سے کسی لکڑی کے ٹکڑے میں سے چھوٹا سا شعلہ بلند
ہو گیا۔ نصر الدین مسکرائے اور سوچنے لگے۔
"کمال ہے۔ میری بیوی سے آگ بھی ڈرتی ہے۔"

• رمضان کے پینتالیس (45) دن

ملا کو روزے رکھنے کا بڑا شوق تھا اور
رمضان کی آمد کا خاص طور پر اہتمام کرتے تھے۔
ایک سال انہوں نے سوچا کہ اکثر روزوں کا
حساب دماغ سے اُتر جاتا ہے، یاد نہیں رہتا
کہ کتنے روزے گزر چکے ہیں اور کتنے باقی ہیں،
اس لیے اسے یاد رکھنے کا کوئی بندوبست کیا
جائے۔ چنانچہ وہ ایک گھڑا خرید کر لائے، اپنے مکان
کے کونے میں رکھ دیا اور طے کیا کہ روزانہ سحری
کے وقت ایک پتھر ڈال دیا کروں گا۔ اس طرح
جب چاہوں گا انھیں نکال کر گن لوں گا۔ ایک دن
وہ اپنے مکان کے دروازے پر کھڑے تھے کہ کسی
راہ گیر نے اُن سے پوچھ لیا:
"کیوں جناب! آج کون سا روزہ ہے؟"
ملا نے انھیں کوئی جواب نہ دیا صرف ہاتھ کے
اشارے سے ٹھہرنے کو کہا اور گھر میں گھس گئے۔
اُدھر اُن کی بیٹی نے کیا تماشا کر رکھا تھا کہ
باپ کو گھڑے میں پتھر ڈالتے دیکھ کر خود بھی
شوق سے بہت سے پتھر اٹھا لائی تھی اور گھڑے
میں ڈال دیے تھے۔ اب ملا نے جو گنتی شروع کی
تو اس میں سے پینتالیس (45) پتھر نکلے۔ ملا دوڑتے
ہوئے راہ گیر کے پاس پہنچے اور بولے:
"بھائی آج پینتالیسواں روزہ ہے۔"
راہ گیر بڑا چکرایا۔ اُس نے تعجب سے پوچھا:

"رمضان میں تیس روزے ہوتے ہیں یا انتیس۔ یہ آپ کا پینتالیسواں روزہ کیسے ہوگیا؟"
ملّا نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا:
"میں زبانی جمع خرچ کا قائل نہیں۔ ہر چیز کا باقاعدہ حساب رکھتا ہوں۔ کسی کے تیس روزے ہوتے ہوں یا انتیس۔ میرا تو پینتالیسواں ہے۔"

• ہم نہیں ہیں

بادشاہ تیمور لنگ کا ایک مخصوص ہاتھی تھا جو عام طور پر شاہی اصطبل میں رہتا تھا۔ ایک دن پتہ نہیں کیسے وہ اصطبل سے نکل بھاگا، ملّا کے گاؤں جا پہنچا اور آس پاس کی کھڑی فصل کو تباہ کرنے لگا۔ گاؤں والے ملّا نصرالدین کے پاس آئے اور کہا:
"ہم لوگ اس مست ہاتھی سے بہت پریشان ہیں اس لیے شاہی دربار پہنچ کر فریاد کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ہمارے وفد کے قائد بن کر ساتھ چلیے تو بڑی مہربانی ہو۔ بادشاہ آپ سے واقف بھی ہے اور آپ درباروں میں بات بھی کر سکتے ہیں۔"

ملّا راضی ہوگئے اور وفد ملّا کی سربراہی میں شاہی دربار پہنچ گیا۔
لیکن سب بادشاہ کے سامنے جانے سے کترا رہے تھے۔ تیمور لنگ کے رعب اور دبدبے سے گھبراتے تھے۔ کافی دیر تک آگا پیچھا کرنے کے بعد کسی نے ملّا کو دھکا دے کر آگے بڑھا دیا۔ بہرحال ملّا بادشاہ کے سامنے پہنچ گئے اور باقی سب لوگ پیچھے سے کھسک گئے۔ ملّا کی بھی حالت تیمور کے سامنے خراب ہو رہی تھی۔ جب انھوں نے دیکھا کہ تمام گاؤں والے بھی بھاگ گئے ہیں اور وہ تنہا بادشاہ کے سامنے کھڑے ہیں تو ان کا مارے ڈر کے برا حال ہوگیا۔ ان کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔
جب یہ کچھ نہ بولے تو بادشاہ نے پوچھا:
"نصرالدین! کس لیے آئے ہو؟"
بادشاہ کے لہجے سے ملّا کو یقین ہوگیا کہ آج وہ غصے میں ہے۔ ملّا نے نہایت دھیمی آواز میں ہکلاتے ہوئے جواب دیا:
"عالم پناہ! ـــــ وہ آپ کا ہاتھی ہے نا ـــــ!"

بادشاہ نے پوچھا:

"ہاں ہاں، وہ ہاتھی ہے تو پھر کیا ہوا، بتاؤ؟"

"ہم ـــ نہیں نہیں ـــ میں ـــ سوچ رہا تھا کہ اس کا جوڑا مکمل کر دیا جائے!"

• مُرغوں کی سمجھ

ایک دن مُلّا نے بازار سے کچھ مرغے خریدے اور انہیں تھیلے میں ڈال کر گھر کی طرف چل دیے۔ کچھ دور چلنے کے بعد انھوں نے سوچا کہ یہ کیا حماقت ہے کہ مرغوں کو اپنے اوپر لاد کر لے چلوں جبکہ خدا نے انہیں بھی پاؤں دیے ہیں۔ وہ خود چل لیں گے۔ یہ سوچ کر انھوں نے تھیلا کھول دیا اور سب مرغوں کو زمین پہ چھوڑ دیا۔ مرغوں نے باہر آتے ہی اِدھر اُدھر بھاگنا شروع کر دیا۔ اب مُلّا بڑے پریشان ہوئے اور ڈانٹ کر بولے:

"احمقو! یہ تم خوب جان لیتے ہو کہ صبح ہونے والی ہے اور بانگ دینا شروع کر دیتے ہو لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمیں جانا کس طرف ہے!"

• شاگرد کا مُطالعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کوئی بہت بڑا عالم مُلّا کی شہرت سُن کر اُن کے پاس آیا اور ان سے شاگرد بنانے کی درخواست کی۔ اپنے بارے میں اُس نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا:

"اُستاد صاحب! میں نے بہت سے مدرسوں میں تعلیم حاصل کی۔ کئی مشہور بزرگوں کی صحبت میں رہا۔ اور فیض حاصل کیا، میری زندگی علم کے حصول میں گزری ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ سے بھی اِستفادہ کروں۔ کیا آپ مجھے اپنا شاگرد بنانا پسند فرمائیں گے؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"مجھے بڑا افسوس ہے کہ میں آپ کو اپنی شاگردی میں نہیں لے سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی زندگی اساتذہ اور ان کی تعلیمات کے مطالعے میں گزار دی جبکہ میں اس کا قائل ہوں کہ اساتذہ اور ان کی تعلیمات کی روشنی میں آپ کو پرکھا جاتا۔ صرف اسی صورت سے آپ کی قدرد

قیمت کا اندازہ کیا جا سکتا تھا۔"

• دودھ والے کا گھوڑا

مُلّا نصرالدین نے ایک بار جلانے کی لکڑی فروخت کرنا شروع کی اور اس کام کے لیے ایک گھوڑا خریدا جو کسی دودھ والے کا تھا۔ دودھ والا اس پر دودھ کے برتن لاد کر چلتا اور گھروں گھروں دودھ بانٹتا پھرتا تھا۔ اس کی یہ بھی عادت تھی کہ گھر کے سامنے ہنہناتا تھا جس سے گھر والوں کو معلوم ہو جاتا کہ دودھ والا آگیا۔ یہ عادت مُلّا کے پاس آنے پر بھی نہ چھوٹی۔ یعنی اس کی پیٹھ پر ہوتی تو تھی لکڑی لیکن ہر دو تین گھر کے بعد وہ کھڑا ہو جاتا اور زور سے ہنہناتا۔ گھروں کے لوگ دودھ کے برتن لے کر باہر نکل آتے۔ جب دودھ والے کو نہ پاتے تو کھسیانے ہو جاتے۔ اُدھر مُلّا کو بھی غصّہ آتا کہ یہ کیا بدتمیزی ہے۔ کبھی کبھی کسی سے جھگڑا بھی ہو جاتا تھا۔ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔ ایک دن مُلّا غصّے سے پاگل ہو گئے، سینہ تان کر گھوڑے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اور بولے:

"آج تیرے میرے درمیان فیصلہ ہو جائے کہ بیچنے والا کون ہے۔ تو کہ میں ——! تُو تو اس لیے ہنہناتا ہے کہ جلانے کی لکڑیاں بیچنا چاہتا ہے۔ لیکن لوگ مجھ سے جھگڑتے ہیں کہ میں دودھ کیوں نہیں لایا؟"

• خُدا کی قدرت

ایک دن مُلّا نصرالدین آم کے درخت کے نیچے لیٹے ہوئے تھے اور وہاں سے کچھ فاصلے پر پھیلی ہوئی تربوز کی بیل کو دیکھ رہے تھے۔ اچانک اُن کے دل میں آیا کہ خُدا نے تربوز جیسے بڑے اور بھاری پھل کو تو نہایت کمزور اور حقیر بیل سے نکالا جو زمین میں پھیلی ہوتی ہے۔ جبکہ آم جیسے چھوٹے سے پھل کو اتنے بڑے اور اونچے درخت میں لگایا۔ اس میں خُدا کی کیا مصلحت ہے؟ ابھی یہ بات سوچ ہی رہے تھے کہ اچانک ایک آم ان کے منہ پر آ گرا۔ انھوں نے منہ کو اپنی انگلیوں سے سہلایا اور آم کھانے میں مصروف ہو گئے —— لیکن ٹھیک اسی وقت اُن کی سمجھ میں وہ معمّا آ گیا جس کے بارے میں چند

لمبے چیلے غور کر رہے تھے۔ یعنی تربوز کو زمین کی بیل میں لگایا جبکہ آم کو خدا نے اتنے بڑے درخت میں پیدا کیا۔ انھوں نے سوچا کہ اگر آم کی جگہ تربوز اُن کے منہ پر گرا ہوتا تو آج خاتمہ ہی ہو جاتا!

• اہرامِ مصر

ایک دن مُلّا کے دل میں درخت پر چڑھنے کا خیال آیا۔ اُنھوں نے سوچا کہ صبح کا وقت ہے درخت پر بڑا مزا آئے گا۔ چنانچہ یہ سوچ کر وہ ایک درخت کی شاخ پر چڑھ گئے۔ اتفاق سے اُس وقت کوئی راہ گیر اُدھر آ نکلا۔ اُس نے مُلّا کو درخت پر چڑھے دیکھا تو پوچھا:

"مُلّا وہاں کیا کر رہے ہو؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"اہرامِ مصر پر چڑھا ہوا ہوں!"

راہ گیر کو اس جواب پر بڑا تعجب ہوا۔ اُس نے پوچھا:

"کیا کہہ رہے ہو؟ یہ درخت ہے یا اہرامِ مصر؟ اُس میں تو چار پہلو ہوتے ہیں۔ اور چاروں پہلو ایک کونے پر جا کر مل جاتے ہیں۔ یہ تو درخت ہے۔"

مُلّا نے زوردار قہقہہ لگایا اور وہیں سے چیخ کر بولے:

"تم میرے جواب پر حیران ہو جبکہ میں تمہارے سوال پر حیرت زدہ ہوں۔ ہمارا اہرام تو اتنا بڑا اور خوبصورت ہے کہ اس کے سامنے تمام اہرام ہیچ ہیں ــــ تم جو چار سمتوں کی بات کرتے تو تو دیکھو اس میں بھی چار پہلو ہیں۔ میں چاروں سے ایک ساتھ لطف اندوز ہو رہا ہوں۔ سب سے پہلے تو اس میں کیسی کیسی خوبصورت چڑیاں چہچہا رہی ہیں۔ اُن کی پیاری پیاری آواز کانوں کو کتنی بھلی لگ رہی ہے، دوسرے پھولوں کی خوشبو سے دماغ معطر ہو رہا ہے۔ تیسرا پہلو یہ ہے کہ صبح کی سہانی ہوا چل رہی ہے اور چوتھا یہ کہ سورج کی نرم نرم کرنیں درخت کی شاخوں سے چھن چھن کر آ رہی ہیں جو اس ٹھنڈے موسم میں بڑی اچھی معلوم ہو رہی ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ وہ اہرام مصر اچھے ہیں جو پتھر کے بنے ہیں یا میرا یہ اہرام جس کے چار پہلو چار مختلف حسن لیے ہوئے ہیں!"

• جہاں میں بیٹھوں

مُلّا نصرالدین اتنے دل چسپ انسان تھے کہ جہاں بیٹھ جاتے، لوگ ان کے گرد اکٹھا ہونے لگتے۔ یہ اُن سے مزے مزے کی باتیں کرتے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ مُلّا نصرالدین کسی وعظ کی محفل میں گئے۔ یہ محفل کسی رئیس آدمی کے مکان پر منعقد ہوئی تھی۔ اُس آدمی نے اپنے مکان کے بڑے کمرے میں مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظام کیا تھا اور ایک کونے میں خوب اچّھا سا ڈائس بنا دیا تھا جہاں سے واعظ کو تقریر کرنی تھی۔ جب مُلّا اس محفل میں پہنچے تو تقریر شروع ہو چکی تھی۔ مُلّا کمرے کے دروازے کے قریب جوتوں کے پاس بیٹھ گئے۔ اور برابر والے آدمی کو دبی زبان میں جھوٹے سچّے قصّے سنانا شروع کر دیے۔ آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے مُلّا کی باتوں میں بڑی دل چسپی لی۔ اور کھسک کھسک کر ان کے گرد بیٹھنے لگے۔

مُلّا نے شروع میں تو آہستہ آہستہ باتیں کیں لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ان کی آواز تیز ہونے لگی۔ امیر آدمی

یہ منظر دیکھ رہا تھا اور جی ہی جی میں آگ بگولہ ہو رہا تھا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد یہ نوبت آ گئی کہ واعظ خود ہی تقریر کرتے رہے۔ سننے والا ایک بھی نہ تھا۔ اب تو امیر آدمی سے بالکل نہ رہا گیا اُس نے غصّے کے عالم میں چلّا کر کہا:

"بند کرو ان باتوں کو ——! واعظ تقریر کر رہا ہے اور تم لوگ اپنی کھچڑی پکا رہے ہو۔ یاد رکھو مجھے یہ باتیں بالکل ناپسند ہیں۔ یہ مجلس وعظ میں نے منعقد کی ہے۔ اس میں جو بھی مقرر ہوگا اُسے سُننا ہی پڑے گا۔"

یہ کہہ کر امیر آدمی نے ہاتھ کے اشارے سے اُس جگہ کو بتایا جہاں واعظ بیٹھا ہوا تقریر کر رہا تھا۔ پھر بولا:

"دیکھیے یہ جگہ ہے۔ جو کوئی یہاں بیٹھے گا صرف اُسی کو بولنے کا حق حاصل ہے۔"

مُلّا نے فوراً جواب دیا:

"پتہ نہیں، آپ لوگ ہر بات کو کس انداز سے سوچتے ہیں۔ آپ یہ کہتے ہیں کہ جو کوئی ڈائس پر بیٹھے گا صرف اُسی کو بولنے کا حق حاصل ہوگا۔ میں

اس بات کو یوں کہتا ہوں کہ میں جہاں بیٹھ جاؤں مجھے بولنے کا حق مل جاتا ہے۔ یا یوں سمجھ لیجیے کہ میں جہاں بیٹھ جاؤں وہی صدر کی جگہ ہے۔"

• اُلٹا مصنف، اُلٹی کتاب

ایک دن مُلّا کے گاؤں کے چائے خانے میں ایک ایسا شخص آکر بیٹھ گیا جو بڑا باتونی تھا۔ اس نے چائے خانے میں سب لوگوں کو اپنی باتوں سے مرعوب کر لیا۔ پھر یہاں تک کیا کہ خود کو ایک مذہبی عالم کی شکل میں پیش کیا اور خوب لمبی لمبی ہانکی۔ مُلّا بھی ایک کونے میں بیٹھے اُس کی باتیں سُن رہے تھے۔ وہ شخص کبھی فلسفہ بگھارتا تو کبھی اللہ والوں کی باتیں کرنے لگتا۔ اور اپنی ہر بات کو سچا ثابت کرنے کے لیے مختلف کتابوں کے جھوٹے سچّے حوالے دیتا۔ جب مُلّا اُس کی لن ترانی سنتے سنتے تنگ آگئے تو ان سے رہا نہ گیا۔ اتفاق سے اُس نے اپنی تصنیف کی ہوئی کتاب مجمع کے سامنے بڑھائی۔ مُلّا نے لپک کر اُسے لے لیا۔ کیونکہ سارے مجمع میں صرف وہی پڑھے لکھے آدمی تھے اور اُسے کھول کر دیکھنا شروع کیا۔ وہ ایک ایک ورق اُلٹتے جاتے اور اُسے دیکھتے جاتے لیکن پڑھتے کچھ نہ تھے۔ کافی دیر تک ورق اُلٹنے پلٹنے کے بعد وہ کتاب کو الٹا پکڑ کر کھڑے ہوگئے۔ جب نو وارد نے اپنی کتاب کی اس قدر بے عزتی دیکھی تو اُس سے خاموش نہ رہا گیا۔ وہ بول پڑا:

"قبلہ! آپ اُلٹی کتاب پکڑے ہیں!"

مُلّا نے جواب دیا:

"جی ہاں! میں نے جان بوجھ کر کتاب کو اُلٹا پکڑا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب ہی آپ کے علوم کی بنیاد ہے۔ اگر اس سے کچھ سیکھنا ہے تو عقلمندی اسی میں ہے کہ اس کو اُلٹا ہی پکڑا جائے۔"

• زندگی اور موت کا مسئلہ

ایک دن مُلّا جنگل میں ایک درخت پر چڑھے ہوئے اس کی شاخ کاٹ رہے تھے۔ شاخ پر وہ اس طرح بیٹھے تھے کہ جو حصّہ کٹ کر گرنے والا تھا وہ اُسی کو کاٹ رہے تھے۔ کسی راہ گیر نے انہیں

دیکھ لیا اور آواز دے کر کہا:
"بڑے صاحب! آپ یہ کیا غضب کر رہے ہیں؟
جس شاخ پر بیٹھے ہیں اُسی کو کاٹ رہے ہیں۔ اگر
خدانخواستہ گر گئے تو ہڈی پسلی کا بھی پتہ نہ چلے گا۔"
مُلّا نے جواب دیا:
"کیا میں پاگل ہوں جو تمہاری باتوں میں آجاؤں
یا تم کوئی پہنچے ہوئے بزرگ ہو جس کی ہر بات سچ نکلے۔"
راہ گیر اپنی بات کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ اسی اثنا
میں شاخ کٹ کر نیچے آگئی ساتھ ہی مُلّا بھی دھڑام
سے گرے۔ اُن کے اچھی خاصی چوٹیں آئیں لیکن شرم
کے مارے فوراً ہی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بھاگتے ہوئے
راہ گیر کے پاس پہنچے اور بولے:
"حضور میں نے مان لیا کہ آپ واقعی پہنچے ہوئے
بزرگ ہیں۔ آپ مجھے اپنا مرید بنا لیجیے۔"
راہ گیر نے مُلّا کو لاکھ سمجھایا کہ میں بزرگ وزرگ
کچھ بھی نہیں ہوں لیکن مُلّا ایک نہ مانے اور اسی پر
اصرار کرتے رہے کہ وہ شخص کوئی اللہ والا ہے جبھی
تو میرے گرنے کا حال پہلے سے بتا دیا۔ غرض مُلّا اور
راہ گیر میں کافی عرصے تک بحث چھڑی رہی۔ بالآخر

[illegible] کو کوسنا شروع کر دیا۔
"تمہیں آج موت آجائے گی۔"
مُلّا نے اس کی یہ بات بھی سچ سمجھی اور جہاں
کھڑے تھے وہیں چاروں خانے چت لیٹ گئے۔ آنکھیں
بند کر لیں اور سانس روک لی۔ محلے والوں نے مُلّا کو
سڑک پر لیٹے دیکھا تو دوڑ کر قریب آئے۔ انھیں بلایا
ڈلایا لیکن وہ تو دم سادھے لیٹے تھے۔ اس لیے
از خود کوئی حرکت نہ کی۔ لوگ انھیں مُردہ سمجھ کر
لے گئے اور ان کے کفن دفن کا انتظام شروع
کر دیا۔

جب انھیں میّت کی شکل میں قبرستان لے
جانے لگے تو لوگوں میں اختلاف ہوا کہ کس راستے
سے لے جائیں۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ بائیں طرف
چلو۔ یہ راستہ چھوٹا ہے۔ لیکن کچھ کا خیال تھا کہ داہنے
ہاتھ یہ جو گلی جاتی ہے اس سے قبرستان نزدیک پڑتا
ہے۔ کافی دیر تک بحث سننے کے بعد مُلّا سے نہ
رہا گیا۔ وہ کفن کے اندر سے ہی بول پڑے:
"جب میں زندہ تھا تو بائیں طرف سے قبرستان
جایا کرتا تھا، یہی راستہ قریب کا ہے۔"

• ایک روپے کا فائدہ

ایک دن ملا نصرالدین دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاق سے انہیں دس نابینا لوگ دکھائی دیے جو دریا پار کرنا چاہتے تھے۔ ملا ان کے پاس گئے اور ایک روپیہ فی کس معاوضہ پر سب کو دریا پار لے جانے کی پیش کش کی۔ نابینا بخوشی راضی ہوگئے۔ ملا نے ایک ایک کو باری باری دریا پار لے جانا شروع کیا۔ جب وہ نو نابیناؤں کو دریا پار کرا چکے اور دسویں کو لے جانے لگے تو دریا کا بہاؤ تیز ہوگیا۔ چنانچہ ملا سے وہ آدمی نہ سنبھل سکا اور تیز دھارے میں بہہ گیا۔

بقیہ نو آدمی جو کنارے پر کھڑے انتظار کر رہے تھے سمجھ گئے کہ ان کا ایک ساتھی بہہ گیا۔ انھوں نے وہیں سے چلا کر آواز دی۔

"ملا کیا معاملہ ہے۔؟"

ملا نے جواب دیا:

"کوئی خاص بات نہیں۔ تمھیں ایک روپے کا فائدہ ہوگیا۔"

مجھ سے مت پوچھ!

ایک دن ملا نصرالدین اپنے گدھے پر سوار کہیں جا رہے تھے۔ اتفاق سے گدھے نے کوئی ایسی چیز دیکھ لی جس سے وہ خوفزدہ ہوگیا اور سرپٹ بھاگنے لگا۔ لوگوں نے ملا کو اس قدر تیز رفتاری سے بھاگتے دیکھا تو پوچھنے لگے:

"نصرالدین! خیر تو ہے؟ اس قدر تیزی سے کہاں جارہے ہو؟"

ملا نے جواب دیا:

"بھائیو! یہ سوال مجھ سے کرنے کا نہیں ہے۔ آپ میرے گدھے سے پوچھیں یہ اس کا ہی معاملہ ہے۔"

• ملا کی بیٹیاں

ملا کے دو بیٹیاں تھیں۔ ایک کی شادی ایک کسان کے ساتھ ہوئی تھی۔ دوسری کی اینٹ بنانے والے کے ساتھ۔ ایک دن دونوں بیٹیاں اپنے شوہروں سمیت اپنے باپ کے یہاں پہنچیں بات

چیت کے دوران ایک بیٹی بولی:

"ہمارے شوہر نے ہل چلانے کے بعد بیج بو دیے ہیں۔ اب اگر بارش ہو جائے تو بہت عمدہ فصل ہو گی۔ اس نے وعدہ کیا ہے کہ فصل اچھی ہوئی تو مجھے عمدہ سا جوڑا بنا دے گا۔"

مُلّا یہ سن کر بڑے خوش ہوئے اور ہاتھ اُٹھا کر بارش کے لیے دعا مانگنے لگے۔ لیکن اسی وقت دوسری بیٹی بولی:

"بابا ایسی دعا نہ مانگیے۔ میرے شوہر نے ابھی اینٹیں بنائی ہیں اور سوکھنے کے لیے رکھ دی ہیں۔ اگر خدانخواستہ بارش ہو گئی تو سب اینٹیں بہہ جائیں گی اور مصیبت آ جائے گی۔"

مُلّا یہ سن کر بڑے پریشان ہوئے اور بولے:

"میں کوئی دعا نہ مانگوں گا۔ جو اللہ چاہے گا وہ وہ کر دے گا۔ پھر بھی میں خوش ہوں کہ دونوں میں سے ایک بیٹی تو یقیناً فائدے میں رہے گی۔"

• گٹھلیوں کے دام

ایک دفعہ مُلّا نے بہت سی کھجوریں خریدیں اور

گھر آکر انھیں کھانا شروع کر دیا۔ وہ کھجور کھاتے جاتے تھے اور گٹھلیاں جیب میں رکھتے جاتے تھے۔ اتفاق سے بیوی نے انھیں گٹھلیاں رکھتے دیکھ لیا تو اس کی وجہ پوچھی۔ مُلّا نے جواب دیا:

"تم نہیں سمجھتیں۔ میں نے کھجوریں خریدتے وقت کھجور والے سے پوچھ لیا تھا کہ اس کی قیمت میں کھجور کے ساتھ گٹھلیوں کے بھی دام شامل ہیں۔ اب جبکہ ہم نے دونوں کی قیمت ادا کر دی ہے تو یہ ہماری مرضی ہے کہ ہم گٹھلیاں پھینکیں یا رکھیں!"

چُوزوں کا سوگ

ایک بار مُلّا نصرالدین نے مرغیاں پالنے کا بھی شوق کیا۔ وہ مرغیوں کے چوزے نکالتے تھے اور بڑی مرغیوں کو بیچ ڈالتے تھے۔ جب چوزے بڑے ہو جاتے تو پھر ان کو بھی بیچتے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ وہ بازار سے گزر رہے تھے۔ اتفاق سے انھیں کسی آدمی کے رونے کی آواز آئی تو انھیں بڑا تعجب ہوا۔ وہ لپک کر اس گھر کی باڑھ تک پہنچ گئے۔ اندر جھانک کر دیکھا

تو ایک آدمی سیاہ لباس میں نظر آیا۔ اُنھوں نے اس آدمی سے پوچھا:

"بھائی کیا معاملہ ہے؟ یہ سیاہ لباس اور رونا پیٹنا کس لیے ہے؟"

آدمی نے جواب دیا:

"میرے باپ کا انتقال ہو گیا ہے۔ میں نے اسی سوگ میں یہ سیاہ لباس پہنا ہے۔"

مُلّا یہ سُن کر آگے بڑھ گئے۔ ان کے چہرے پہ ایک معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

دوسرے دن لوگوں نے کیا دیکھا کہ مُلّا کے تمام چوزوں کے گلوں میں کالی پٹیاں بندھی ہوئی ہیں۔ اس پہ سب لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ اُنھوں نے مُلّا سے اس کی وجہ پوچھی۔

مُلّا نے جواب دیا:

"دوستو! میرے چوزوں کے ماں باپ کل ذبح کر دیے گئے۔ اُنھوں نے ان کے سوگ میں کالی پٹیاں باندھ رکھی ہیں۔ کیا اُنھیں سوگ منانے کا حق نہیں ہے؟"

عملی سبق

ایک دِن مُلّا نصرالدین بازار سے گزر رہے تھے۔ راستے میں ایک مقام پر اُنھوں نے دیکھا کہ دو لڑکے ایک کوّے کو پکڑے لیے جا رہے ہیں۔ دونوں میں سے ایک نے کوّے کا ایک بازو اور دُوسرے نے دُوسرا بازو مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے اور زور زور سے اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ آپس میں تُو تُو میں میں بھی ہو رہی ہے۔ اس [illegible] کوّا بے چارہ ادھ مُوا ہو چکا تھا۔

مُلّا کو اس بے زبان پہ بڑا ترس آیا۔ وہ ان کے پاس پہنچے اور کہا:

"تم لوگ اس کو کیوں تنگ کر رہے ہو؟ بے چارہ بے زبان پرندہ ہے۔ اسے چھوڑ دو تمھیں دُعا دے گا۔"

لڑکوں نے بیک وقت کہا:

"یہ کوّا میں نے پکڑا ہے لہٰذا اسے میں گھر لے جاؤں گا۔"

اس پر مُلّا بولے:

"یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے کچھ فائدہ پہنچ سکے۔ نہ تو اس کو کھایا ہی جا سکتا ہے۔ نہ دیکھنے میں خوب صورت ہے جس کو پنجرے میں رکھا جا سکے اور نہ ہی آواز اچھی ہے۔ تم لوگ اس کو لے جا کر کیا کرو گے؟"

مُلّا کے کہنے پر ایک لڑکا بولا:

"دیکھیے مولینا صاحب۔ میری بات سُنیے۔ یہ کوّا دیوار پر بیٹھا تھا۔ میں نے لڑکے سے کہا کہ میرے کندھے پر بیٹھ جاؤ اور ہاتھ بڑھا کر پکڑ لو۔ اس کو تو [illegible]

اس لیے یہ میرا ہے میں اس کو ہرگز نہ دوں گا۔"

قبل اس کے کہ مُلّا کچھ بولتے دُوسرے لڑکے نے اپنی صفائی پیش کی۔

"دیکھیے جناب! یہ تو ٹھیک ہے کہ اس لڑکے نے مجھے کوّا دکھایا اور اپنے کندھے پر بٹھا کر اونچا کیا جس کے نتیجے میں یہ کوّا پکڑ لیا گیا لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ یہ میں ہی تھا جس نے کوّے جیسے چالاک اور سیانے پرندے کو پھرتی سے پکڑ لیا۔ اگر یہ بھولے میاں میری جگہ ہوتے

تو ہرگز نہ پکڑ پاتے۔ اس لیے یہ کوّا میرا ہے ان کا دعویٰ قطعی غلط ہے۔"

مُلّا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ ان دونوں کا فیصلہ کیسے کیا جائے۔ کافی دیر تک سوچنے کے بعد ان کی سمجھ میں ایک ترکیب آئی۔ انھوں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک درہم نکال کر لڑکوں کو دیا اور کہا کہ اس کو آدھا آدھا تقسیم کر لو اور کوّے کو اپنے قبضے میں لے کر آزاد کر دیا۔ لڑکے درہم پا کر خوشی خوشی گھروں کو چلے گئے۔

اِدھر کوّا جو ادھ مُوا ہو چکا تھا اُڑ کر ایک گائے کے سینگوں کے بیچ میں بیٹھ گیا۔ مُلّا نے جو دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور بولے:

"واہ رے میرے شاہین! تو نے خوب شکار کیا ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ گائے کے قریب گئے اور رسّی کھول کر اپنے ساتھ لے گئے۔ گھر پہنچ کر گائے کو ایک طرف باندھ دیا اور اس کے چارے پانی کا انتظام کرنے لگے۔

اُدھر گائے کے مالک نے آ کر دیکھا کہ اُس کی گائے غائب ہو گئی تو اُسے بڑی فکر ہوئی اور وہ ڈھونڈنے نکل پڑا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے مُلّا کے گھر پہنچا۔ یہاں اُس نے گائے بندھی دیکھی تو اُسے خوشی بھی ہوئی اور تعجب بھی۔ تعجب اس وجہ سے کہ وہ مُلّا کو پہلے سے جانتا تھا اور اُنھیں شریف آدمی سمجھتا تھا۔ مُلّا کو دیکھتے ہی وہ برس پڑا:

"تمھیں شرم نہیں آتی گاؤں میں چوریاں کرتے پھرتے ہو۔ میرے گھر سے گائے کھول کر لے آئے اور کس ڈھٹائی سے اپنے گھر باندھ رکھی ہے۔"

مُلّا نے غصّے سے جواب دیا:

"ذرا تمیز سے بات کرو جی! میں کوئی چور ہوں۔ تمھاری گائے کو میرے شاہین نے شکار کیا ہے۔ شکار پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ تمھاری جو مرضی ہو کر لو۔ میں تو گائے واپس نہیں کروں گا۔"

گائے کے مالک نے کہا:

"اگر تم سیدھی طرح ہماری گائے نہیں لوٹاؤ گے تو میں قاضی کے یہاں مقدمہ دائر کر دوں گا پھر تمھیں آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔"

مُلّا نے جواب دیا:

"بڑے شوق سے مقدمہ دائر کیجیے۔"

قصّہ مختصر گائے کے مالک نے سچ مچ مقدمہ دائر کر دیا۔ مُلّا اور وہ عدالت میں حاضر ہوئے۔ مُلّا نے قاضی کی صورت دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ تو بڑا رشوت خور ہے اور سارے زمانے میں بدنام ہے۔ انھوں نے فوراً قاضی کو اشارہ کیا کہ اگر فیصلہ میرے حق میں ہوا تو آپ کو وہ کنستر گھی تحفتاً دوں گا۔

قاضی اشارہ سمجھ گیا اور فریقین کے بیانات سُننے کے بعد فیصلہ مُلّا کے حق میں کر دیا۔ مُلّا گائے لے کر اپنے گھر چلے آئے اور دوسرے دن وہ کنستر گھی قاضی کو بھجوا دیا۔

چند روز بعد قاضی کے گھر میں کوئی تقریب ہوئی۔ قاضی نے گھی کے کنستر دعوت کے لیے کھلوائے۔ جب کنستر کا ڈھکنا کھلا تو دیکھا کہ اس میں مٹی کوڑا اور پُرانے جُوتے بھرے ہیں۔

قاضی کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے فوراً مُلّا کو بُلوا بھیجا۔

جب مُلّا اس کے پاس پہنچے اور سارا قصہ سُنا تو بولے:

"آپ کے لیے میں نے جو کچھ بھیجا ہے وہ بالکل مُناسب ہے۔ آپ اسی لائق ہیں کہ ایسی چیزیں اِنعام میں دی جائیں۔ بھلا بتائیے تو آپ جیسا ذمہ دار آدمی ذرا سے لالچ میں سیدھے مقدمے کو اُلٹ سکتا ہے تو پھر عام آدمیوں سے ایمان داری کی اُمّید فضول ہے۔"

قاضی یہ باتیں سُن کر بڑا شرمندہ ہُوا اور مُلّا سے بولا:

"آپ مجھے مُعاف کر دیجیے۔ آیندہ ایسی غلطی نہ کروں گا۔ براہِ مہربانی آپ اس واقعے کی اِطلاع کسی اور کو نہ دیں۔"

مُلّا نے خاموشی اِختیار کر لی اور گائے اُس کے مالک کے حوالے کر دی۔

پیش گوئی

ایک دن مُلّا نصرالدین ایک زیتون کے باغ کے قریب سے گزر رہے تھے۔ باغ کے مالک نے مُلّا کو دیکھ کر پُوچھا:

"کیوں مُلّا جی! اس سال میرے درختوں میں زیتون آئیں گے یا نہیں؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"یقیناً آئیں گے۔"

یہ کہہ کر مُلّا سمندر کی طرف بڑھنے لگے۔ اس نے پُوچھا: "مُلّا کدھر؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"جلانے کے لیے لکڑیاں لینے جا رہا ہوں۔"

تھوڑی دیر کے بعد اُس نے دیکھا کہ مُلّا اپنے گدھے پر سوار تھکے ماندے گھر کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ اس نے مُلّا کو آواز دی۔ جب مُلّا قریب آئے تو کہا:

"مُلّا تعجب کی بات ہے، تم جیسا عقل مند آدمی جو یہ پیش گوئی کر سکتا ہے کہ اس سال پھل

آئیں گے یا نہیں۔ اتنی سی بات نہیں بجھ سکا کہ سمندر کے کنارے جلانے کی لکڑی کیا ملے گی؟"

ملّا نے جواب دیا:

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ مجھے اس کی بالکل خبر نہیں کہ کیا ہونے والا ہے۔"

پاکٹ بک سیریز

آغا خان
امام رازی
ابنِ عربی
امام ابنِ تیمیہ
البیرونی
امیر تیمور
امام غزالی
اکبر اعظم
اکبر اعظم کے نورتن
اورنگ زیب عالمگیر
امیر خسرو
بلھے شاہ
بابا فرید گنج شکرؒ
جہانگیر
چاند بی بی
حضرت امام حسینؓ

حضرت عثمانؓ
حضرت عمر فاروقؓ
حضرت علاؤالدین صابر
حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ
حضرت عائشہؓ
حضرت عیسیٰؑ
حضرت موسیٰؑ
حضرت علیؓ
حضرت ابوبکر صدیقؓ
حیدر علی
خواجہ معین الدین چشتیؒ
خالد بن ولید
داتا گنج بخشؒ
رضیہ سلطانہ
زرتشت
سلیمان اعظم

سلطان محمد فاتح
سرسید احمد خان
سید احمد شہید
سید امیر علی
سلطان ٹیپو
سراج الدولہ
شاہ ولی اللہ
شیر شاہ سوری
شاہ عبداللطیف بھٹائی
شاہ جہاں
صدر ایوب
صلاح الدین ایوبی
طارق بن زیاد
ظہیر الدین بابر
عمر بن عبدالعزیز
علاؤالدین خلجی

غوث اعظمؒ
کمال اتاترک
قائداعظم محمد علی جناح
مولانا احمد رضا خان
مجدد الف ثانیؒ
مولانا روم
محترمہ فاطمہ جناح
مہاتما بدھ
محمد بن قاسم
محمود غزنوی
نورجہاں
وقار الملک
وارث شاہ
ہارون رشید
یاجوج ماجوج

فیروز سنز بک کارپوریشن لمیٹڈ